تاریخِ مملکتِ اسلام

★ شوکت علی
★ محمد اعظم
★ ریاض الاسلام

پبلشرز یونائیٹڈ - ۱۷۶ انار کلی، لاہور

Price: Rs. 7-8-0

تاریخ پاک و ہند

برائے انٹرمیڈیٹ

ڈاکٹر ریاض الاسلام - شوکت علی - زیڈ - ایچ - زیدی

تقسیم ہند کے بعد یہ پہلی کتاب ہے - جس میں نہایت احتیاط کے ساتھ صحیح نقطۂ نظر ... سے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کو اپنی قومی زبان میں پیش کیا ہے - مصنفین نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کتاب کو نہایت جامع مکمل اور منفرد بنانے کی کوشش کی ہے - عہد سلطنت دہلی کی تاریخ ہمعصر اور مستند فارسی ماخذ براہ راست مطالعہ پر مبنی ہے - کتاب کا اندازِ بیان نہایت واضح اور شستہ ہے - طلبار اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لیے اپنی نوعیت کی بہترین کتاب ہے - کتاب کی دوسری افادی خصوصیت کے علاوہ یہ انٹرمیڈیٹ کے طلبار کی ضرورت کو ہر لحاظ سے پورا کرتی ہے ◆

قیمت ۸/۶/۰ ◆

پبلشرز یونائیٹڈ - ۱۷۶ انار کلی، لاہور

از

شوکت علی ایم اے لیکچرار پنجاب یونیورسٹی لاہور

محمد اعظم ایم اے لیکچرار گارڈن کالج راولپنڈی

ڈاکٹر ریاض الاسلام ایم اے پی ایچ ڈی ڈپٹی ڈائرکٹر دفتر تاریخی دستاویزات

پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ - ۱۷۶ - انارکلی - لاہور

بار چہارم ۱۹۵۵ء

شیخ محمد امین پبلشر نے کوآپریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر پبلشرز یونائیٹڈ۔ ۱۷۶۔ انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

پہلی صدی ہجری
اسلامی فتوحات
میل ۱۰۰۰ ۹۰۰ ۸۰۰ ۷۰۰ ۶۰۰ ۵۰۰ ۴۰۰ ۳۰۰ ۲۰۰ ۱۰۰ ۰
عیسائی ریاستیں
دوسری غیر مسلم ریاستیں
اسلامی مفتوحات
پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور
فرانس
ہسپانیہ
اطالیہ
یونان
بحیرہ اسود
بحیرہ کیسپین
ایشیائے کوچک
سسلی
قیروان
بربر
بحیرۂ روم
اسکندریہ
شام
دمشق
عراق
بغداد
کوفہ
بصرہ
ایران
طوس
نیشاپور
خلیج فارس
جزیرۃ العرب
عمان
حضرموت
مکہ
یمن
عدن
حبشہ
بحیرۂ عرب

فہرست مضامین

جم

بار چہار

شیخ محمد امین پبلشر نے کو
یونائیٹڈ

دیباچہ

تقسیم پاک و ہند سے پہلے علمی دنیا کے ارباب حل و عقد کی تاریخ اسلام کی طرف بے اعتنائی نہایت مجرمانہ تھی۔ اس لئے پاکستان بننے کے بعد تعلیمی نصاب میں اسلامی "تاریخ" کا داخلہ نہایت اہم اور مفید قدم تھا۔ ایک پڑھے لکھے مسلمان کے لئے اپنی تاریخ کا نہ جاننا انتہائی ناز یبا ہے۔ کیونکہ قومی زندگی کی صحت کے لئے اس کے افراد کا اپنی تاریخ اور اپنے جلیل القدر اور برگزیدہ ناموروں کے کارناموں سے آگاہی حاصل کرنا اشد ضروری ہے اور اس کے بغیر ہمارے نزدیک ہر مسلمان کی تعلیم کو ادھورا سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ پاکستان بننے کے فوراً بعد پنجاب یونیورسٹی نے اپنے تمام امتحانات میں تاریخ اسلام کو شامل نصاب کر دیا۔ مگر اس معاملہ کا ایک افسوس ناک پہلو بھی تھا۔ وہ یہ کہ طالب علموں کے لئے کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی۔ جو یونیورسٹی نصاب کے مطابق ہو، اور ان کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ زیر نظر کتاب

میں مصنفین نے پنجاب یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ طالب علموں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے ابواب کو یونیورسٹی کے سلیبس کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے اور واقعات اور تفاصیل کو بڑی عرقریزی کے ساتھ مستند کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ نیز مصنفین نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ زبان آسان اور سلجھی ہوئی ہو تاکہ طلباء کو مطالب کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے اس کے علاوہ اس کتاب میں "تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کے محض سیاسی حالات ہی بیان نہیں کئے گئے۔ بلکہ مختلف عہود کی ثقافتی۔ علمی اور ذہنی ترقی کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ امید ہے کہ مصنفین کی یہ کاوش طلباء کے لئے مفید مطلب ثابت ہوگی۔

مصنفین

باب ۱

ملکِ عرب اور اُس کے باشندے

عرب کی وجہ تسمیہ

"عرب" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زباندانی کے ہیں۔ چونکہ عربوں کو اپنی زباندانی پر ناز تھا اس لئے وہ اپنے آپ کو "عرب" اور دوسرے لوگوں کو "عجم" یعنی گونگا کہتے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ "عرب" کے معنی سامی زبانوں میں صحرا یا ریگستان کے ہیں۔ چونکہ اس ملک کا زیادہ حصہ ریگستان ہے اس لئے تمام ملک کو "عرب" کہنے لگے۔ ان میں سے پہلی توضیح زیادہ قرینِ قیاس اور قابلِ قبول ہے۔

جغرافیائی محلِ وقوع

عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو پُرانی دُنیا کے تین برّاعظموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے سنگھم پر واقع ہے۔ یہ تین طرف سے خلیج فارس، بحیرہ عرب اور بحیرہ قلزم سے گھِرا ہوا ہے۔ تمام ملک میں خشک پہاڑوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ان پہاڑوں کا سب سے طویل سلسلہ یمن سے لے کر شام تک ہے جس کو جبل السراۃ کہتے ہیں ملک کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ریگستان ہے جس کو ربع الخالی کہتے ہیں حرف یمن اور نجد سرسبز اور شاداب علاقے ہیں۔

طبعی لحاظ سے اس کے پانچ حصے ہیں:۔

۱۔ **حجاز**:۔ یہ جبل السراۃ کا وہ حصہ ہے جو شرقاً غرباً یمن سے شام

تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ایک حصے کو تہامہ کہتے ہیں۔ جس کے سب سے مشہور شہر مکہ، طائف اور جدہ ہیں۔ جدہ، مکہ کی بندرگاہ ہے۔ طائف، مکہ سے قریب ہی ایک صحت افزا مقام ہے۔ دوسرے حصے کا نام تہامہ ہے جس کا مرکزی شہر مدینہ ہے۔ مدینہ کی بندرگاہ ینبوع ہے۔

۲۔ عرب کے وسط میں نجد کا سرسبز اور شاداب علاقہ ہے۔ اس کا دارالخلافہ ریاض ہے۔ آج کل نجد اور حجاز ایک سلطنت میں شامل ہیں۔ جس کا فرمانروا سلطان سعود ہے۔

۳۔ نجد کے جنوب میں بحیرۂ عرب اور بحیرۂ قلزم سے گھرا ہوا یمن کا علاقہ ہے یہ ایک آزاد سلطنت ہے۔ اس کے حکمران کو امام کہتے ہیں اور اس کا دارالخلافہ صنعا ہے۔

۴۔ ان تین بڑی سلطنتوں کے علاوہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں جن میں بحرین عمان اور حضر موت زیادہ مشہور ہیں۔ بحیرۂ قلزم کے دہانے پر عدن کی بندرگاہ ہے جو انگریزوں کے ماتحت ہے۔

۵۔ ربع الخالی۔ جو تمام تر ریگستان ہے اور جہاں کوئی آبادی نہیں۔

باشندے عرب کے تمام قبائل سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں (سام حضرت نوحؑ کا بیٹا تھا۔ عرب اور یہودی اسی کی اولاد ہیں) مؤرخین نے تمام عربوں کو تین شاخوں میں تقسیم کیا ہے:-

عرب بائدہ۔ عرب عاربہ اور عرب مستعربہ

۱۔ **عرب بائدہ:-** عرب کے وہ پرانے باشندے، جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔ ان میں عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس وغیرہ شامل ہیں۔ عاد اور ثمود کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی موجود ہے۔ ان میں سے اکثر اللہ تعالےٰ کے عذاب کا شکار ہوئے

۲۔ **عرب عاربہ یا بنی قحطان:-** ان کا اصلی وطن یمن تھا۔ لیکن عرب

بائدہ کے فنا ہونے کے بعد یہ لوگ آکر آباد ہو گئے۔ ان کو بنی قحطان بھی کہتے ہیں قحطان، سام کا بیٹا اور حضرت نوحؑ کا پوتا تھا۔ بنی قحطان کی سب سے مشہور شاخیں بنو جرہم اور بنو یعرب تھیں۔ پرانے زمانے میں بنی قحطان میں سے عبد شمس ایک مشہور بادشاہ ہو گزرا ہے اس نے یمن کا مشہور شہر مآرب بسایا تھا۔ جس کے کھنڈر اب دستیاب ہوئے ہیں۔ اس بادشاہ نے اس شہر کے نزدیک تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند تعمیر کیا۔ جس میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہو جاتا تھا۔ اور اس سے تمام ملک کو سیراب کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ بند کمزور ہو کر ٹوٹ گیا۔ جس سے سارے ملک میں بہت بڑا سیلاب آگیا۔ اس سیلاب کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ اور عرب کے قصے کہانیوں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے بہت سے قبیلے عرب کے دوسرے علاقوں میں جاکر آباد ہو گئے۔

(تاریخِ ملت اول ۲۰)

۳۔ **عرب مستعربہ یا بنی اسمٰعیل یا بنی عدنان:-** حجاز اور نجد کے باشندے اس شاخ سے ہیں۔ اس شاخ کے جدِ امجد حضرت اسمٰعیلؑ تھے۔ حضرت اسمٰعیل کو ان کے والد حضرت ابراہیمؑ حجاز میں اس جگہ جہاں اب مکہ واقع ہے، آباد کر گئے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے بڑے ہو کر بنی جرہم میں شادی کی۔ اس سے ایک نئی قوم پیدا ہوئی جس کو عرب مستعربہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مستعربہ سے مراد ملی جلی قوم ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد حجاز میں خوب پھلی پھولی اور عرب کے موجودہ قبائل اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بنی عدنان بھی کہتے ہیں۔ عدنان، حضرت اسمٰعیلؑ سے چالیسویں پشت میں تھا۔ آلِ عدنان کی ایک شاخ بعد میں قریش کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت محمدؐ اسی خاندانِ قریش میں پیدا ہوئے۔

باب ۲

ایامِ جاہلیت

یا

اسلام سے پہلے عربوں کی سماجی، مذہبی اور سیاسی حالت

زمانۂ جاہلیت کے تاریخی مآخذ اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں :-

۱- **زمانۂ جاہلیت کی بعض تصنیفات** :- جو سلاطین غسان اور حیرہ کے کتب خانوں میں محفوظ تھیں اور جن سے بعد میں عرب مورخین نے فائدہ اُٹھایا۔

۲- **زبانی روایات** :- عرب لوگ حافظہ کی تیزی کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ عرب کی جو قومیں قدیم زمانے میں مِٹ چکی تھیں (مثلاً عاد، ثمود وغیرہ) ان کے متعلق عرب قبائل میں مختلف روایات مشہور تھیں۔ بعد میں مورخینِ اسلام نے عرب کی قدیم تاریخ مرتب کرنے میں ان روایات سے مدد لی۔

۳- **زمانۂ جاہلیت کی شاعری** :- شاعری عربوں کا قومی مشغلہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں کئی قصیدے اور نظمیں مشہور تھیں۔ جن میں پرانے سلاطین، مٹی ہوئی اقوام اور شہروں وغیرہ کا ذکر تھا۔

۴- **یورپ کے قدیم مورخین کے تذکرے** :- جن میں یونانی مورخ ہیروڈوٹس مشہور جغرافیہ داں بطلیموس اور رومی سوانح نگار پلینی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تصنیفات میں جا بجا عرب اور اس کے باشندوں کے متعلق واقعات پائے جاتے ہیں۔

۵- **آثارِ قدیمہ اور پرانے کتبے** :- اسلام سے پہلے عرب کے بعض حصے مثلاً یمن وغیرہ انتہائی عروج پر رہ چکے تھے اور یہاں کئی سلطنتیں قائم تھیں۔ ملکہ بلقیس جس کا ذکر قرآن مجید اور انجیل میں آیا ہے۔ اس علاقے کی ایک سلطنت موسوم بہ سبا کی حکمران تھی۔ ان قدیم سلطنتوں کے آثار عرب کے مختلف علاقوں میں ملتے ہیں۔ ان آثار قدیمہ سے عرب کی قدیم تہذیب و تمدن کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کی سماجی، مذہبی اور سیاسی حالت

الف : سماجی حالت اسلام سے پہلے عرب تمدنی لحاظ سے بہت پست تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ گو عربی زبان بہت وسیع ہے لیکن جن چیزوں کو تمدن اور معاشرت کی بنیاد کہا جا سکتا ہے، ان کے لئے عربی زبان میں کوئی الفاظ نہیں بلکہ ایران یا روم سے مستعار لئے گئے ہیں (شبلی اوّل ۱۱۷) مثلاً چراغ کے لئے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا اسی کو سراج بنالیا۔ لوٹے کے لئے فارسی لفظ آب ریز کو ابریق بنا لیا گیا۔ اسی طرح تشت اور کاسہ عربی میں طشت اور کاس بن گئے۔ درہم اور دینار یونانی اور رومی الفاظ ہیں یہ جوں کے توں عربی میں لے لئے گئے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ؐ کے زمانہ تک سامانِ عیش تو درکنار اسبابِ معاشرت کی ضروری چیزوں کا وجود تک نہ تھا۔ بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ؐ کے زمانے تک رات کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ اسی طرح ترمذی میں ہے کہ اس وقت چھلنیاں نہیں ہوتی تھیں۔ آٹا پھونکوں سے صاف کیا جاتا تھا۔ الغرض ظہورِ اسلام سے پہلے عربوں کی تمدنی حالت بہت پست تھی۔

چونکہ عرب میں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اس لئے کھیتی باڑی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بیشتر لوگوں کا واحد ذریعۂ معاش بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی بسر اوقات محض جانوروں کی پرورش پر ہو وہ خوشحال نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہر وقت لوٹ مار کا بازار گرم رہتا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے پر حملہ کر کے اس کے مویشی چھین لیتا تھا۔ اس طرح جھگڑوں کا ایک مستقل سلسلہ قائم رہتا تھا۔ مویشی پالنے کے علاوہ بعض لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ تجارت کے لئے یمن اور شام کو جایا کرتے تھے لیکن راستوں کی خرابی اور عام بدامنی کی وجہ سے تجارت کی راہیں بھی مسدود تھیں۔

لوٹ مار کے علاوہ عربوں میں اور بھی کئی عیوب تھے۔ جوا کھیلنے کا عام رواج تھا اور شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے۔ بدکاری اور بے حیائی بھی بہت عام تھی۔ بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا بھی دستور تھا۔ ایک شخص کی کئی بیویاں ہوتی تھیں۔ جو شخص جس قدر بڑا اور طاقت ور ہوتا تھا اس کی اتنی ہی زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔ باپ کے مرنے پر اس کی بیویاں بیٹوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں اور وہ اپنی ماں کے سوا سب کو اپنی بیویاں بنا لیتے تھے۔ لڑائی میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، عورتوں کی بے حرمتی کرنا اور معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھا جاتا تھا۔

جہاں ان لوگوں میں اتنی برائیاں تھیں وہاں ان میں چند خوبیاں بھی تھیں۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی ہوتے تھے۔ شجاعت اور دلیری میں بے مثل تھے۔ ایفائے عہد بہت بڑی خوبی سمجھی جاتی تھی، مہمان نوازی اور سخاوت ان کا خاصہ تھا۔

عام لین دین اور آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے عرب میں میلوں کا بھی عام رواج تھا۔ سال میں چار مہینے میلوں کے لئے مخصوص تھے۔ ان میلوں میں تمام قبائل کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اس لئے ان چار مہینوں میں لڑائی حرام سمجھی جاتی تھی۔ ان میلوں میں سب سے بڑا عکاظ کا میلہ تھا جو مکہ سے قریباً دس میل کے فاصلہ پر عکاظ کے مقام پر لگتا تھا اور بیس دن تک رہتا تھا۔ عکاظ کے میلے میں بڑے بڑے

چوٹی کے شاعر آ کر اپنا کلام سناتے تھے۔ شاعری کے علاوہ شہسواری، تیر اندازی شمشیر زنی اور پہلوانی کے مظاہرے بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں کی نمائش اور دوسرے کھیل تماشے بھی اس میلے کا لازمی جزو تھے۔ اس میلے میں چونکہ عرب کے تمام قبائل جمع ہوتے تھے اس لئے یہیں مختلف قبیلوں کے باہمی تنازعوں کا بھی فیصلہ ہوتا تھا۔

ب: مذہبی حالت

رسولِ اکرمؐ کی پیدائش سے پہلے عربوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ کہنے کو تو وہ حضرتِ ابراہیمؑ کی اولاد اور ان کے مذہب کے پیرو تھے لیکن مذہبِ ابراہیمی کی ان میں کوئی بات موجود نہ تھی۔ زیادہ تر لوگ بت پرست تھے۔ اور مختلف بتوں کو پوجتے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور بت لات، منات، عزّیٰ اور ہبل تھے۔ ہبل سب سے بڑا بت تھا جو کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ قریش لڑائی میں اسی کی جے پکارتے تھے اور اسی کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔

گو بت پرستی بہت عام تھی۔ لیکن اس حالت میں بھی چند لوگ ایسے تھے۔ جن کا اللہ تعالےٰ پر اعتقاد تھا اور جنھوں نے بت پرستی سے انحراف کر لیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں ورقہ بن نوفل تھے جو حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اخیر عمر میں یہ عیسائی ہو گئے تھے۔ بت پرستی کے علاوہ عیسائیت، یہودیت اور مجوسیت (آتش پرستی) بھی مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے۔ بنی غسان اور بنی نجران عیسائی ہو گئے تھے۔ عرب میں عیسائیت اس درجہ ترقی کر چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے (شبلی اوّل ۱۲۳) عیسائیوں کے علاوہ یہودی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یثرب (مدینہ) اور خیبر یہودیوں کی خاص بستیاں تھیں۔ شمالی عرب کے بعض قبائل خصوصاً حیرہ

کے سلاطین ایرانی اقتدار کے زیر اثر زرتشتی مذہب کے پیرو ہو گئے تھے۔ بتوں کو پوجنے کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی کا بھی عام رواج تھا۔ کئی قبیلے سورج، چاند، زہرہ، مشتری وغیرہ کی پرستش کرتے تھے۔

ج: سیاسی حالت

حضرت رسول اکرمؐ کی پیدائش کے وقت عرب کے لوگ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں قریش کا قبیلہ کعبہ کا متولی ہونے کی وجہ سے بہت ممتاز تھا۔ ہر قبیلہ چند خاندانوں کا مجموعہ ہوتا تھا۔ اور ان کے نام اپنے کسی بزرگ کے نام پر ہوتے تھے۔ ہر قبیلے کا سردار الگ ہوتا تھا۔ اور اس کو قبیلے کے تمام افراد پر حاکمانہ اختیارات ہوتے تھے ان قبائل میں کوئی قانون نافذ نہ تھا۔ ہر شخص "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" پر عمل کرتا تھا۔ یہ لوگ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اگر دو قبیلوں میں ایک دفعہ جنگ چھڑ جائے تو یہ سلسلہ کئی نسلوں تک قائم رہتا تھا۔ بسا اوقات یہ جنگیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر شروع ہو جاتی تھیں۔ مثلاً زمانۂ جاہلیت کی ایک مشہور جنگ موسوم بہ جنگِ بسوس کسی شخص کی اونٹنی دوسرے کی چراگاہ میں جانے سے شروع ہوئی۔ اسی طرح جنگِ داحس صرف اس بات پر شروع ہوئی کہ گھوڑ دوڑ میں جیتنے والے گھوڑے کو ہارنے والی پارٹی نے بدکا دیا تھا۔

عرب کے تمام قبیلوں میں خاندانِ قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کعبہ جو تمام ملک کا دینی مرکز تھا۔ اس کے متولی قریش تھے۔ اس لئے عرب کے مرکزی شہر مکہ پر بھی انہی کا اقتدار تھا۔ قریش کی بڑی بڑی شاخیں یہ تھیں: بنی ہاشم، بنی امیہ، بنی اسد۔ بنی عدی، بنی تیم، وغیرہ۔ کعبہ کی نگرانی کے سلسلہ میں ہر خاندان کے سپرد ایک الگ خدمت تھی۔ مثلاً کعبہ کی حفاظت: محافظِ کعبہ کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔ یہ منصب بنی ہاشم کے پاس تھا۔ بنی ہاشم کے پاس سقایہ یا حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بھی سپرد

تھی۔ بنی امیہ قریش کے خاندانی جھنڈے، جس پر عقاب کا نشان تھا، کے محافظ اور قریش کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ بنی اسد دار الندوہ کے مہتمم تھے۔ دار الندوہ ایک مکان تھا جس میں قریش مشورے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ گویا ندوہ قریش کی قومی اسمبلی تھی۔ ندوہ میں ہی جنگ، صلح اور دوسرے بڑے بڑے معاملات طے ہوتے تھے۔ اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں۔ بنی عدی سفارت پر مامور تھے۔ اس طرح قریش کے ہر خاندان کے سپرد کوئی نہ کوئی خدمت تھی اور اس وجہ سے قریش تمام قبائل میں سب سے ممتاز قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔

باب ۳

آنحضرتؐ کی ولادت، بچپن اور جوانی۔

سلسلۂ نسب

ابراہیمؑ
|
اسمٰعیلؑ
|
× (۱)
|
عدنان
|
× (۲)
|
نضر (یا قریش۔ قریش یعنی جمع کرنے والا۔)
|
× (۳)
|
عبدِمناف

نوفل — عبدالشمس — مطلب — ہاشم — عبدالعزیٰ — عبدالدار

ہاشم
|
عبدالمطلب

عباس — عبداللہ — حمزہ — ابوطالب — ابولہب

عبداللہ
|
محمدؐ
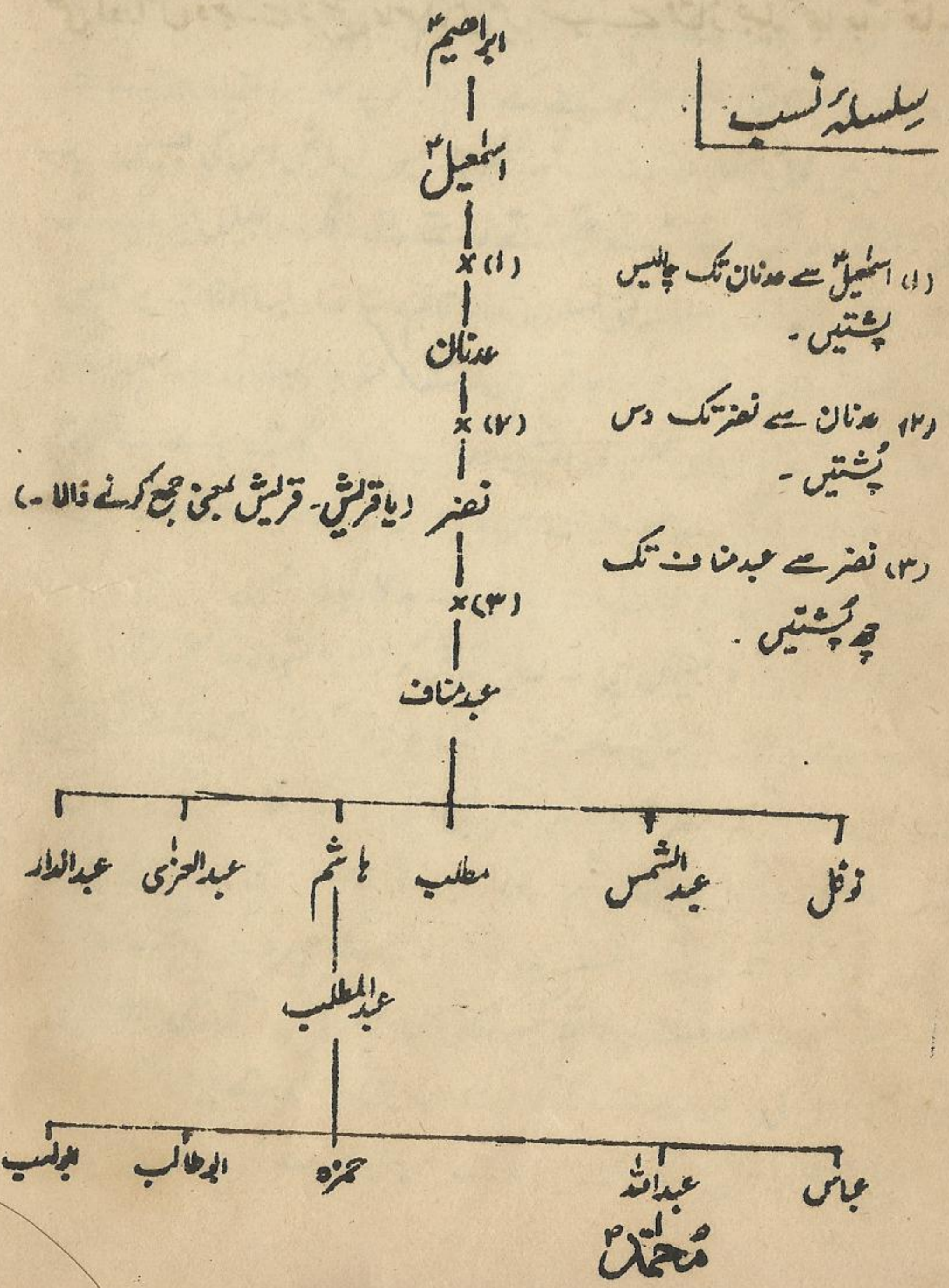
(۱) اسمٰعیلؑ سے عدنان تک چالیس پشتیں۔

(۲) عدنان سے نضر تک دس پشتیں۔

(۳) نضر سے عبدِمناف تک چھ پشتیں۔

عرب میں، زمانۂ قدیم سے قریش کا خاندان بہت ممتاز چلا آتا تھا۔ اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ عدنان تھا۔ جو حضرتِ اسمٰعیلؑ سے چالیسویں پُشت میں تھا۔ عدنان کے جانشینوں میں جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ تھے۔ لیکن سب سے پہلا شخص جس نے سیاسی اور مذہبی اقتدار حاصل کیا، وہ قصی بن کلاب تھا۔ اس کی شادی کعبہ کے متوّلی حلیل خزاعی کی لڑکی سے ہوئی۔ حلیل نے مرتے وقت یہ منصب اپنے داماد قصی کے حوالے کر دیا اور اس طرح قریش کو تمام عرب پر مذہبی اقتدار حاصل ہوگیا۔ قصی کے پوتے ہاشم نے اس اقتدار میں اور اضافہ کیا۔ وہ کعبہ کے متوّلی ہونے کے علاوہ بہت بڑے تاجر تھے۔ انہوں نے قیصرِ روم اور شاہِ حبش سے عرب تاجروں کے لئے خاص مراعات حاصل کیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف قبائل سے یہ عہد کر لیا کہ قریش کے قافلوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس طرح انہوں نے اندرونِ ملک میں بھی تجارتی راستوں کو عام لُوٹ مار سے محفوظ کیا۔

ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب (آنحضرتؐ کے دادا) کعبہ کے متوّلی مقرّر ہوئے۔ یہ بھی بہت بڑے تاجر تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے چاہِ زمزم کا جو گرد و غبار کی وجہ سے گم ہوگیا تھا دوبارہ پتہ لگایا۔ اور اس کو درست کیا۔ ان کے زمانے کا سب سے مشہور واقعہ ابرہہ حاکمِ یمن کی کعبہ پر چڑھائی ہے۔ ظہورِ اسلام سے کچھ عرصہ پہلے حبش والوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابرہہ حبش کے بادشاہ کی طرف سے یمن کا گورنر ہو کر آیا۔ اس نے اپنے دارالحکومت میں ایک عالیشان گرجا تعمیر کروایا۔ اور عربوں کو ترغیب دی کہ وہ کعبہ کا حج کرنے کی بجائے اس گرجا کا حج اور طواف کیا کریں۔ عرب کے اکثر قبائل نے ابرہہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابرہہ کو غصہ جو آیا تو اس نے کعبہ کو مسمار کرنے کی ٹھانی اور ایک لشکرِ جرار کے ساتھ جس میں چند ہاتھی بھی تھے، مکہ پر حملہ کر دیا۔ جب وہ مکہ کے

قریب پہنچا تو اس کے سپاہیوں نے اہلِ مکّہ کا کچھ سامان لُوٹ لیا۔ جن میں عبدالمطلب کے چند اونٹ بھی تھے۔ عبدالمطلب اپنے اونٹوں کو چھڑانے کے لئے ابرہہ کے دربار میں چلے گئے اور ابرہہ سے اپنے اونٹ واپس دلانے کی درخواست کی۔ ابرہہ نے حیران ہوکر پُوچھا کہ تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ مگر کعبہ کی فکر نہیں؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے مجھے ان کی فکر ہے۔ جو کعبہ کا مالک ہے وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔ ابرہہ یہ سُن کر چُپ ہوگیا اور عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دئے۔

ابرہہ کے دربار سے واپس آکر عبدالمطلب کعبہ میں گئے اور اس کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر اللہ تعالےٰ سے اس کی حفاظت کی دُعا مانگی اور پھر اہلِ مکّہ کو لے کر آس پاس کی پہاڑیوں میں چُھپ گئے۔ اللہ تعالےٰ نے عبدالمطلب کی دُعا قبول فرمائی۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے آگے بڑھا تو یکایک آسمان پر ہزاروں ابابیلیں بادلوں کی طرح چھاگئیں، ان کی چونچوں اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، انہوں نے یہ کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسانی شروع کر دیں۔ جس کسی کو یہ کنکریاں لگیں وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس طرح ابرہہ کی ساری فوج تتر بتر ہوگئی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی ہے عربوں نے اس آسمانی معجزے کو کسی آنے والے مبارک واقعہ کا نیک شگون قرار دیا۔ اس کے ایک سال بعد آنحضرتؐ پیدا ہوئے۔

رسولِ اکرمؐ کی ولادت اور بچپن

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے جن میں سے پانچ کسی نہ کسی وجہ سے مشہور ہوئے۔ یعنی ابولہب، ابوطالب، حمزہ، عباس اور عبداللہؓ چونکہ عبداللہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے عبدالمطلب ان کو بہت پیار کرتے تھے۔ عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی۔ وہب قریش ہی کا ایک معزز رکن تھا۔ حضرت آمنہؓ اپنی سیرت اور صورت کے لحاظ

سے قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ شادی کے چند مہینوں کے بعد عبداللہ تجارت کی غرض سے شام گئے۔ واپسی پر مدینہ ٹھہرے اور وہیں کچھ دن بیمار رہ کر فوت ہوگئے۔

اپنے والد کی وفات سے دو مہینے بعد ۵۷۱ء یا سنہ ہجری سے ۵۲ سال پہلے ۱۲ ربیع الاوّل کو پیر کے دن رسولِ اکرمؐ پیدا ہوئے۔ دادا نے آپؐ کا نام محمّدؐ رکھا۔ حضورؐ کی پیدائش کے متعلق بہت سے معجزے بیان کئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات آپ پیدا ہوئے، اسی رات نوشیروان کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے، آتش کدۂ ایران ٹھنڈا ہوگیا اور کعبہ کے بُت اوندھے جا پڑے۔ آپ کی پیدائش کے وقت عبدالمطلب کعبہ میں تھے وہاں انہوں نے صفا اور مروہ (مکّہ کے نزدیک دو پہاڑیاں) کو لرزتے دیکھا۔ اس زمانے میں عرب شرفا کا دستور تھا کہ وہ اپنے شیرخوار بچّوں کو قریب کے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ بدوؤں میں پل کر عربوں کی قومی خصوصیات کو اخذ کرسکیں اور ساتھ ہی صحیح عربی بولنے میں بھی مہارت حاصل کرسکیں۔ (شبلی اوّل ۱۷۲) چنانچہ اس دستور کے مطابق حضورؐ کو قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے حوالے کر دیا گیا۔ مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آپؐ دائی حلیمہ کے ہاں کتنا عرصہ رہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ مدّت زیادہ سے زیادہ چار سال ہوگی۔ روایت ہے کہ دائی حلیمہ کے گھر آپؐ کی موجودگی سے عجیب برکتوں کا ظہور ہوا۔ آپؐ کے آنے سے پیشتر دائی حلیمہ کا گھر قبیلہ بھر میں سب سے زیادہ غریب گھر تھا۔ آپؐ کی برکت سے چند دنوں میں دائی حلیمہ کی کایا پلٹ گئی اور اب فارغ البالی کا دور دورہ شروع ہوا۔ چار سال کے بعد دائی حلیمہ آپؐ کو آپؐ کی والدہ آمنہؓ کے سپرد کر گئیں۔ جب آپؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو حضرت آمنہؓ آپؐ کو لے کر مدینہ گئیں، واپسی پر راستہ ہی میں بیمار ہوکر فوت ہوگئیں۔

حضرتِ آمنہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کی پرورش کا فخر آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو حاصل ہؤا۔ دو سال کے بعد آپؐ کے دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔ عبدالمطلب نے مرتے وقت آپؐ کو آپؐ کے حقیقی چچا ابوطالب کے سپرد کیا۔ ابوطالب آپؐ کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ جدھر جاتے آپؐ کو ساتھ لے جاتے۔

ابوطالب بھی اپنے باپ دادا کی طرح تاجر تھے اور سال میں ایک آدھ دفعہ تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر قریباً بارہ سال کی تھی تو اس مرتبہ آپؐ کے اصرار پر ابوطالب آپؐ کو اپنے ہمراہ سفرِ شام پر لے گئے۔ جب ابوطالب کا قافلہ شام کے سرحدی شہر "بصرای" (یہ وہ بصرہ نہیں جو بغداد کی بندرگاہ ہے) میں پہنچا تو وہاں ان کی ملاقات ایک عیسائی راہب بحیرہ سے ہوئی۔ بحیرہ نے آپؐ کے چچا ابوطالب کو بتلایا کہ آپؐ میں نبوت کی نشانیاں ہیں اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کو لے کر واپس لوٹ جائیں۔ کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہودی آپ کو قتل نہ کردیں۔ چنانچہ ابوطالب وہیں سے واپس مکہ لوٹ آئے۔

پندرہ برس کی عمر میں آپؐ نے ایک جنگ میں بھی حصہ لیا جس کو جنگِ فجار کہتے ہیں یہ جنگ قریش اور ایک اور قبیلے بنی قیس کے درمیان ہوئی چونکہ اس میں خاندان کی عزت کا معاملہ تھا اس لئے اس جنگ میں قریش کے تمام افراد نے حصہ لیا۔ چونکہ آپؐ کی عمر چھوٹی تھی۔ اس لئے آپؐ ہتھیار بند ہوکر نہیں لڑے بلکہ صرف اپنے چچاؤں کو تیر وغیرہ پکڑاتے رہے۔ اس قسم کی جنگوں کو روکنے کے لئے آپؐ کے ایک چچا زبیر کی تحریک پر مختلف قبائل میں ایک معاہدہ ہؤا، جسے حلف الفضول کہتے ہیں۔ اس کا نام حلف الفضول اس لئے ہے کہ اس معاہدہ میں شرکت کرنے والوں کے نام کا ایک جزو فضیل تھا (عربی میں فضیل کی جمع فضول ہے) آپؐ بھی اس معاہدہ کی تکمیل میں پیش پیش تھے۔

آپؐ بچپن ہی سے راستباز، خوش خلق اور بات کے پکے تھے۔ رفتہ رفتہ آپؐ کی شرافت، خوش اخلاقی، راستبازی اور ایمانداری کا اتنا چرچا ہؤا کہ شہر کے لوگوں نے نقدی اور زیورات وغیرہ آپؐ کے پاس جمع کرانے شروع کردئے۔ آپؐ ان امانتوں کی پوری پوری حفاظت کرتے اور مانگنے پر فوراً جوں کی توں لوٹا دیتے۔ اس طرح آپؐ امین کے لقب سے مشہور ہوگئے۔

آپؐ کے راستباز اور امین ہونے کی شہرت کو سُن کر مکہ کی ایک مالدار بیوہ خدیجہؓ نے، جو اپنے کارندوں کے ذریعہ سے تجارت کرتی تھی، آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اس کا مالِ تجارت لے کر شام جائیں۔ آپؐ نے اس پیشکش کو قبول کرلیا اور اس تجارتی مہم میں آپؐ کو بہت سا نفع ہؤا۔ کہتے ہیں کہ اس دوسرے سفرِ شام میں آپؐ کی ملاقات ایک اور عیسائی راہب نسطورا سے ہوئی۔ نسطورا نے بھی آپؐ میں نبوت کی نشانیاں دیکھیں اور آپؐ کی رسالت کی پیشین گوئی کی۔ خدیجہؓ نے آپؐ کو ہر معاملہ میں ایماندار اور راستباز پاکر اپنا تمام کاروبار آپؐ کے حوالے کردیا۔ اور بالآخر آپؐ سے شادی کی درخواست کی، جسے آپؐ نے منظور فرمالیا۔ اُس وقت آپؐ کی عمر پچیس برس کی تھی اور خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔ خدیجہؓ کے بطن سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسری شادی نہ کی۔

جب آپؐ پینتیس سال کے تھے تو کعبہ میں آگ لگ گئی اور اس کی تمام عمارت جل کر خراب ہوگئی۔ چونکہ کعبہ سبھی کے لئے مقدس تھا، اس لئے تمام عرب قبائل نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ عمارت جب بن گئی تو حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا۔ اس پر جھگڑا ہوگیا۔ ہر قبیلے کا سردار یہی چاہتا تھا کہ یہ سعادت اسی کو نصیب ہو۔ عنقریب تھا کہ اس بات پر تلواریں کھنچ جائیں۔ لیکن آخرکار یہ طے ہؤا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو، اسے ثالث مان لیا جائے اور اسی کے فیصلے پر عمل کیا جائے۔ اتفاق سے دوسرے دن حرم میں

سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص آپؐ تھے۔ آپؐ نے اپنی چادر بچھائی اور حجرِ اسود کو اس کے درمیان رکھ کر حکم دیا کہ ہر قبیلے کا ایک ممتاز شخص اس کے کنارے کو تھامے اور اس طرح سب مل کر اس کو اُٹھائیں۔ جب حجرِ اسود اپنی جگہ پر پہنچ گیا تو آپؐ نے اسے اُٹھا کر اس کے صحیح مقام پر نصب کر دیا۔ اس طرح ایک خون ریز جنگ آپؐ کے حُسنِ تدبّر اور معاملہ فہمی سے ٹل گئی ورنہ نہ جانے کتنا خُون خرابہ ہوتا۔

باب ۴

نبوّت سے ہجرت تک

مصائب کا دَور

شرفِ نبوّت

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو بُت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ اُن میں سے آپؐ بھی تھے۔ نبوّت کی پہلی منزل اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت ہے۔ بچپن سے آپؐ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک اعلیٰ سیرت کی خصوصیت ہیں۔ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کی راست بازی، ایمانداری شرافت اور خوش خلقی کی قسم کھاتے تھے اور انہی خوبیوں کی وجہ سے آپؐ تمام مکّہ میں "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرتِ خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپؐ کا اچھا خاصا کاروبار تھا، آپؐ دنیوی معاملات میں اُلجھے رہتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جُوں جُوں وقت گزرتا گیا، آپؐ زیادہ تنہائی پسند ہوتے گئے۔ مکّہ سے تین میل دُور ایک غار "حرا" کے نام سے مشہور ہے، آپؐ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی دن تک یادِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ جُوں جُوں نبوّت کا زمانہ قریب آتا گیا، آپؐ کی یہ غور و فکر کی عادت ترقی کرتی گئی۔ ایک دن آپؐ حسبِ معمول عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے کہ ایک فرشتہ نظر آیا جو آپؐ سے کہہ رہا تھا: "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" آپؐ اس عجیب و غریب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جلالِ الٰہی سے

لبریز لرزتے کانپتے گھر آئے اور لیٹ گئے اور حضرتِ خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اس کے بعد آپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائی ہو گئے تھے اور توریت، انجیل وغیرہ سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے سارا واقعہ سن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرتِ موسےٰ کے پاس بھی آیا کرتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آپؐ کو منصبِ نبوت عطا ہونے والا ہے۔ اس وقت آپؐ کی عمر چالیس سال تھی۔ یہی نبوت کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد آپؐ پر متواتر وحی آنی شروع ہو گئی اور آپؐ نے تبلیغ و ہدایت کا کام شروع کر دیا۔ آپؐ نے سب سے پہلے ان لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جن کے دل شروع سے نیکی کی طرف مائل تھے یا جو عرصہ تک آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ سب سے پہلے حضرتِ خدیجہؓ ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرتِ علیؓ اور آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید نے اسلام قبول کیا۔ دوستوں میں سب سے پہلے حضرتِ ابوبکرؓ کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔

میدانِ صفا میں پہلا خطبہ
۳؁ نبوی

تین برس تک آپؐ نے نہایت خاموشی سے دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اسلام کو برملا پیش کیا جائے آپؐ نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سب لوگوں کو کوہِ صفا (مکہ کے نزدیک ایک پہاڑی) کے دامن میں اکٹھا کیا، اور فرمایا کہ "اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر ہے تو تم یقین کر لوگے؟" سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "ہاں۔ کیونکہ تم ہمیشہ سچ بولتے ہو" آپؐ نے فرمایا: "تو تم یقین جانو کہ اگر تم نے اپنے بُرے افعال سے توبہ نہ کی۔ تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا؟" یہ سُن کر سب لوگ برہم ہوئے۔

قریش کی مخالفت کے اسباب

جب آپؐ نے کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تو بہت سے لوگ

آپؐ کے مخالف ہو گئے۔ ان میں آپؐ کے چچا ابولہب اور ایک اور قریبی رشتہ دار ابوجہل پیش پیش تھے۔ قریش کی مخالفت کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱. اسلام کے وجود سے قریش کے آبائی مذہب یعنی بُت پرستی کی توہین ہوتی تھی۔

۲. قریش کو کعبہ کا متولّی ہونے کی حیثیت سے تمام عرب پر مذہبی اقتدار حاصل تھا۔ اسلام کو وہ اس اقتدار کے لئے مستقل خطرہ سمجھنے لگے۔ جن لوگوں کو سب سے زیادہ نقصان کا احتمال تھا وہ اتنے ہی زیادہ مخالف تھے۔

۳. قریش کو ابرہہ کے کعبہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے عیسائیت سے قدرتی طور پر نفرت ہو گئی تھی۔ چونکہ اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، اِس وجہ سے وہ اسلام کے بھی مخالف ہو گئے۔

۴. اس وقت بنی ہاشم اور بنی امیہ میں سخت رقابت تھی۔ عبدالمطلب تک سیاسی اور مذہبی اقتدار بنی ہاشم کے ہاتھ میں رہا مگر عبدالمطلب کے بعد یہ اقتدار بنی امیہ کے ہاتھ میں چلا گیا۔ آنحضرتؐ کی نبوت کو بنی امیہ اپنے رقیب بنی ہاشم کی فتح خیال کرنے لگے ان کو ڈر تھا کہ بنی ہاشم نبوت کی مدد سے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر نہ حاصل کر لیں (سیرۃ شبلی اوّل ۲۱۳ تا ۲۱۹)

۵. قریش کے متنازعہ سا میں بہت سی اخلاقی خرابیاں تھیں۔ قرآنِ پاک میں ان کے متعلق واضح اشارے موجود ہوتے تھے، گو نام نہیں ہوتا تھا مگر سب لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ لوگ کون ہیں۔ قریش کے سردار اپنی بُرائیوں کی گرفت پر سخت ناراض تھے اور حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

جب حق کی آواز بلند ہوئی تو پہلے تو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے آپؐ کی ہنسی اُڑائی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ بے وقار ہو جائیں اور کوئی آپؐ کی بات نہ سُنے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ آپؐ اپنے فرض کی ادائیگی سے باز نہیں آتے تو وہ شرارت پہ اُتر آئے۔ چونکہ وہ اور دوسرے کئی قریشی سردار آپؐ کے ہمسایہ تھے اس لئے وہ طرح طرح سے آپؐ کو تنگ کرنے لگے۔ کبھی

آپؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، کبھی نماز پڑھتے وقت شور وغل کرتے کبھی آپؐ کی گردن میں چادر ڈال کر کھینچتے۔ کبھی بچّوں کو پیچھے لگا دیتے تاکہ لوگ دیوانہ سمجھیں۔

قریش کے وفود

جب انہوں نے دیکھا کہ آپؐ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو انہوں نے لالچ دے کر کام نکالنا چاہا اور اس مقصد کے لئے ایک معزز قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپؐ کو دولت، منصب، سرداری، کسی اُونچے گھرانے میں شادی، غرض سبھی لالچ دئے۔ آپؐ نے اس کے جواب میں قرآنِ پاک کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ عتبہ واپس گیا تو اس کی حالت ہی کچھ اور تھی اس نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ وہ آپؐ سے تعرض نہ کریں۔ مگر انہوں نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔

جب یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوا تو قریش کا ایک وفد آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ یا تم درمیان میں سے ہٹ جاؤ، تاکہ ہم اس سے خود نپٹ لیں۔ ابوطالب یوں تو بڑے دل گردے کے مالک تھے، مگر اب انہوں نے سمجھا کہ کفّار واقعی سختی پر اُتر آئے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ تنہا تمام اہلِ قریش کے ساتھ لڑنے کی ہمت نہیں اس لئے انہوں نے آپؐ کو بلا کر کہا کہ:-

"اے محمدؐ! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔"

آپؐ کو یہ جان کر افسوس ہوا کہ اب چچا بھی ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ مگر آپؐ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور آپؐ نے فرمایا کہ "اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو میں اپنے فرض کی ادائیگی سے باز نہ آؤں گا"۔ آپؐ کی ہمت اور استقلال نے ابوطالب کو بہت متاثر کیا اور وہ کہنے لگے کہ "اچھا بیٹا! تم اپنا کام کئے جاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے گا۔" —— اس طرح یہ وفد بھی ناکام واپس گیا۔

غریب مسلمانوں پر ظلم

جب قریش کی یہ آخری تدبیر بھی ناکام ہوئی تو وہ اور زیادہ سختی پر اُتر آئے۔ وہ آنحضرتؐ پر بھی جو کچھ ان کے بس میں تھا کر گزرتے تھے۔ مگر اب ان کی سختیوں کا شکار خاص طور پر وہ لوگ بنے جو بے یار و مددگار تھے۔ ان میں حضرت بلالؓ حبشی، حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت صہیبؓ رُومی اور حضرت خباب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کفّار ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے۔ کبھی تپتی دھوپ میں عرب کی ریتلی زمین پر لِٹا دیتے اور چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ کبھی گرم لوہے سے جسم داغ دیتے۔ کبھی گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے۔ کبھی دہکتے ہوئے کوئلوں کا بستر بنا کر ان پر لٹاتے اور خود اوپر بیٹھتے تاکہ ہلنے نہ پائیں۔ لیکن یہ تمام ظلم وستم ان میں سے ایک مسلمان کے ایمان کو بھی متزلزل نہ کر سکا حالانکہ ان میں سے کچھ تو غلام تھے۔ کچھ غریب الوطن یا وہ لوگ جن کی پشت پر کوئی نہ تھا۔

ہجرت حبش ۵ھ اور [illegible] نبوی

جب کفّارِ مکہ کے ظلم کی انتہا ہو گئی تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ حبش (عرب سے متصل شمالی افریقہ کا ایک ملک) ہجرت کر جائیں۔ حبش سے عربوں کے پُرانے تعلقات تھے اور وہ اس کے حالات سے واقف تھے۔ اس وقت اس ملک کا فرمانروا ایک نیک دِل عیسائی تھا جسے عرب نجاشی کہتے تھے۔ اس کے عدل وانصاف کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ آخرکار نبوت کے پانچویں سال گیارہ مرد اور چار عورتوں کا مختصر سا قافلہ خدا کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کرتا ہوا حبش کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان میں آپؐ کے داماد حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ چونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے تین مہینے ٹھہرنے کے بعد واپس آ گئے۔

دو سال بعد جب مسلمانوں کی تعداد کافی ہو گئی اور قریش کی سختیوں میں

کوئی کمی نہ ہوئی تو آپؐ نے دوبارہ ہجرت کا حکم دیا۔ اس دفعہ ہجرت کرنے والوں کی تعداد ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ اس قافلے کے سردار حضرت علیؓ کے بھائی جعفر بن ابو طالب تھے۔ کفار کو جب یہ خبر ملی کہ حبش کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور شرافت سے پیش آتا ہے تو انہیں یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس کا سدِّ باب کرنے کے لئے نجاشی کے پاس دو آدمیوں پر مشتمل ایک سفارت بھیجی گئی۔ اس سفارت نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے درخواست کی کہ وہ مہاجرین کو کفار کے حوالے کر دے۔ نجاشی نے کہا کہ میں جب تک ان لوگوں کا جواب نہ سُن لوں، تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا اور کفار کے عائد کردہ الزامات کا جواب مانگا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرتِ جعفر بن ابو طالب کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی کہ اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ آپس میں لڑتے کٹتے رہتے تھے، مختلف قسم کی برائیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اس نے ہمارے درمیان ایک نبی بھیجا اس نے ہمیں تعلیم دی کہ بتوں کی پوجا نہ کریں۔ سچ بولیں۔ آپس میں میل ملاپ سے رہیں۔ برے اعمال سے بچیں۔ نمازیں پڑھیں اور روزے رکھیں۔ ہم اس نبی پر ایمان لے آئے اور اس کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ پس یہی ہمارا جرم ہے۔ نجاشی پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا اور کہا کہ تمہارے نبی پر جو خدا کا کلام اترا ہے اس کا کچھ حصہ سناؤ۔ حضرتِ جعفرؓ نے موقعہ کی مناسبت سے سورۂ مریمؑ کا کچھ حصہ سنایا۔ قرآن کریم کا معجز نما کلام سُن کر نجاشی نے کہا کہ "قرآن اور انجیل ایک ہی چراغ کی دو روشنیاں معلوم ہوتی ہیں"۔ اس طرح قریش سفرِ حبش سے ناکام واپس آئے۔

حضرتِ حمزہؓ اور حضرتِ عمرؓ کا ایمان لانا
۶ سنہ نبوی

حضرت حمزہؓ آپؐ کے چچا تھے اور آپؐ سے صرف دو تین سال ہی بڑے تھے۔ اس لئے آپؐ کے ہمجولی تھے اور انہیں آپؐ سے بہت محبت تھی۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بہت عجیب ہے۔ ایک دن ابو جہل آپؐ کے ساتھ بہت گستاخی سے پیش آیا اور آپؐ کو ایک پتھر دے مارا جس سے آپؐ کی پیشانی لہو لہان ہو گئی۔ حضرتِ حمزہؓ کا معمول تھا کہ ہر روز صبح شکار کو نکل جاتے اور شام کو واپس آتے۔ اس دن جب وہ گھر واپس آئے تو انہیں اس حادثے کا تمام حال معلوم ہوا۔ غصے سے بے تاب ہو گئے اور اسی حالت میں حرم پہنچے جہاں ابو جہل موجود تھا۔ انہوں نے جاتے ہی کمان ابو جہل کے سر پر دے ماری جس سے اس موذی کا سر زخمی ہو گیا۔ تمام لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ حضرت حمزہؓ نے اعلان کر دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں چونکہ وہ بہت بہادر اور جری آدمی تھے، اس لئے ان کے ایمان لانے سے مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔

اس واقعہ کے کچھ دن بعد حضرتِ عمرؓ بھی اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ کفارِ مکہ میں دو آدمی بہت دبدبے کے تھے ایک ابو جہل اور دوسرے حضرتِ عمرؓ۔ جب مخالفین اسلام کی سختیاں انتہا کو پہنچ گئیں تو آپؐ نے دعا مانگی کہ "اے اللہ! عمر ابن الخطاب یا ابو جہل دونوں میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق بخش، تاکہ اسلام کو قوت حاصل ہو۔" یہ دعا بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئی اور یہ سعادت حضرتِ عمرؓ کے حصے میں آئی۔

حضرتِ عمرؓ اسلام لانے سے پیشتر اسلام کے بدترین مخالفوں میں سے تھے۔ ان کی ایک کنیز مسلمان ہو گئی تھی وہ اسے بے تحاشا مارتے اور

جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں پھر ماروں گا۔
ان کے خاندان کے ایک رکن نعیم بن عبداللہؓ مسلمان ہو گئے۔ جب انہیں معلوم ہوا تو اس قدر برہم ہوئے کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ تلوار لگا کر باہر نکلے تو ان کی نعیم سے ملاقات ہو گئی۔ پوچھا: خیریت ہے؟ — حضرت عمرؓ بولے کہ آج محمدؐ کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔" نعیم نے کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہارے بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں"۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر جھلائے اور سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہ اس وقت قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آہٹ پاکر چپ ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو رہے تھے پوچھا: "یہ کیا پڑھ رہی ہو؟" بہن نے جواب دیا "کچھ نہیں"۔ انھوں نے کہا: میں سن چکا ہوں کہ "تم دونوں مسلمان ہو گئے ہو"۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے۔ اور جب بہن نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو اسے بھی پیٹ ڈالا۔ اس پر ان کی بہن نے کہا: "عمر چاہے جو کرو! اب اسلام ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا۔" اس آواز نے آپ کو چونکا دیا۔ بہن کی محبت اور ان کے لہولہان جسم نے دل کو جھنجوڑا، عمر بولے: "اچھا جو پڑھ رہی تھیں مجھے بھی سناؤ"۔ بہن نے قرآنِ پاک کے اجزا سامنے رکھ دئے۔ ایک ایک لفظ نے دل پر اثر کیا، اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ وہاں سے سیدھے آنحضرتؐ کے پاس پہنچے، آپؐ اس وقت ایک صحابی ارقم کے مکان میں فروکش تھے۔ آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ اس لئے صحابہؓ نے تیور دیکھ کر درخواست کی کہ دروازہ نہ کھولا جائے" لیکن حضرت حمزہؓ بولے کہ "آنے دو، نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر، ورنہ اسی تلوار سے سر قلم کر دوں گا"۔ جونہی حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا، آپؐ خود آگے بڑھے اور پوچھا: "عمرؓ! کس نیت سے آئے ہو؟" عرض کیا: "ایمان لانے کو"۔ اس پر آپؐ بے ساختہ پکار اٹھے: "اللہ اکبر"

ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا، اسلام کی تاریخ میں ایک موڑ (Turning Point) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد اگرچہ چالیس پچاس تک پہنچ چکی تھی اور ان میں حضرت حمزہؓ جیسے جری آدمی بھی شامل تھے مگر اس کے باوجود مسلمان علانیہ اپنے مذہبی فرائض ادا نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لاتے ہی حالت دفعتہً بدل گئی۔ انہوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ اب کعبہ میں نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے کہنے پر پہلی مرتبہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی اور کافر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

بنی ہاشم کا بائیکاٹ سنہ نبوی

کفارِ مکہ اسلام کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور آپس میں معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے کہا جائے کہ وہ آپؐ کو کفار کے حوالے کر دیں ورنہ ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور اس طرح آپ کے تمام خاندان کو تباہ کر دیا جائے۔ یہ معاہدہ اطلاعِ عام کے لئے کعبہ کے دروازے پر ٹکا دیا گیا۔ ابوطالب مجبوراً تمام خاندان کو لے کر ایک پہاڑی درّے میں جس کا نام شعب ابوطالب پڑ گیا ہے پناہ گزیں ہو گئے اور ساتھ ہی کچھ کھانے پینے کا سامان لیتے گئے جو بہت جلد ختم ہو گیا۔ یہ جلاوطنی تقریباً تین سال تک رہی اور اس مدت میں آپؐ اور آپؐ کے خاندان کو بہت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ کئی دفعہ فاقہ کشی تک نوبت آگئی۔ آخر کار قریش کے چند لوگوں کو خود ہی اپنے ظلم کا احساس ہوا اور انہوں نے اس معاہدے کو چاک کر ڈالا۔ اس طرح ابتلا کا یہ دور بھی ختم ہو گیا۔

شعب ابوطالب کا محاصرہ ختم

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سنہ ۱۰ نبوی

ہی ہوا تھا کہ ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ اگرچہ انہوں نے تمام عمر اسلام قبول نہیں کیا لیکن وہ ہمیشہ آپؐ کی حمایت پر کمربستہ رہے اور ان کے جیتے جی کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آپؐ کا کچھ بگاڑ سکے۔ چچا کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرتِ خدیجہؓ بھی فوت ہوگئیں۔ آپؐ کو ان دونوں کے ہونے سے بڑی ڈھارس تھی۔ اب یہ دونوں سہارے ٹوٹ گئے۔ ان دو حادثوں کا آپؐ پر بہت اثر ہوا اور آپؐ نے اس سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا سال رکھا۔

طائف کا سفر

ابوطالب کی وفات کے بعد آپؐ کے لئے مکہ اور بھی تنگ ہو گیا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ مکہ میں کامیابی کی امید نہیں، تو آپؐ نے طائف کا رُخ کیا۔ طائف میں بنی ثقیف آباد تھے جن سے آپؐ کی کچھ دُور کی رشتہ داری بھی تھی۔ مگر یہ لوگ کفارِ مکہ سے بھی بدباطن نکلے۔ جب آپؐ وہاں پہنچے تو انہوں نے شہر کے آوارہ لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان بدبختوں نے آپؐ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپؐ کی جُوتیاں خون سے بھر گئیں۔ آخر آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی اور جب یہ طوفانِ بدتمیزی ذرا تھما تو مکہ واپس آگئے۔ آپؐ کے غلام زید نے جو اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے کہا کہ ان بدباطن لوگوں کے لئے بدُدعا کیجئے۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ "میں تو لوگوں کے لئے سراپا رحمت بن کے آیا ہوں"۔ پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا: "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر کہ یہ ناواقف ہیں۔"

باب ۵

مدینہ کو ہجرت سنہ ۱۳ نبوی

مدینہ میں اشاعتِ اسلام

اہلِ مکہ سے مایوس ہوکر آپؐ نے عرب کے دوسرے قبیلوں میں تبلیغ شروع کردی۔ حج کے موقعہ پر جب عرب کے مختلف قبائل مکہ آتے تو آپؐ ان کے پاس جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ سنہ ۱۱ نبوی میں حج کے موقعہ پر مدینہ کے ایک قبیلہ بنی خزرج کے چھ آدمی مسلمان ہوگئے، اس سے اگلے حج پر ان کے بارہ اور آدمیوں نے اسلام قبول کرلیا اور تیسرے سال مدینہ کے ۷۲ آدمی ایمان لے آئے۔ اس طرح مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی نبی کا شہر مشہور ہوگیا۔ بعد میں صرف مدینہ رہ گیا۔ اس وقت مدینہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے فضا کافی سازگار تھی۔ اس وقت مدینہ میں دو قسم کے لوگ آباد تھے، ایک تو یہودی جو سنہ عیسوی کے شروع میں بیت المقدس سے بھاگ کر مدینہ میں آباد ہوگئے تھے اور دوسرے دو عرب قبائل بنی اوس اور بنی خزرج۔ جو دراصل یمن کے باشندے تھے۔ لیکن یمن میں سیلاب آنے کے بعد (جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے) یہیں آکر آباد ہوگئے۔ چونکہ یہودیوں کی مقدس کتاب توریت میں ایک نبیٔ آخرالزمان کے آنے کا ذکر تھا اس لئے یہ عرب قبائل یہودیوں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اس پیشین گوئی سے واقف تھے۔ یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ اب نبیٔ موعود کے آنے کا وقت قریب ہے۔ ہم ان کی مدد سے اپنا

کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کرلیں گے۔ سنہ ۱۱ نبوی میں حج کے موقعہ پر جب بنی خزرج کے آدمیوں سے آپؐ کی ملاقات ہوئی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں۔ ان لوگوں کی مدینہ کے یہودیوں سے جنگ رہا کرتی تھی اس لئے انہوں نے سوچا ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہودی آپؐ پر ایمان لاکر انہیں مغلوب کرلیں۔ ان لوگوں نے واپس جاکر مدینہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ چنانچہ اگلے سال ان کے بارہ آدمی آئے اور آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ واپسی پر یہ لوگ ایک صحابی مصعب بن عمیر کو قرآن پاک سکھلانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ اس طرح مدینہ میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔ تیسرے سال سنہ ۱۳ نبوی میں مدینہ کے ۷۲ آدمی حج کے زمانہ میں آئے اور عقبہ کے مقام پر آپؐ سے بیعت کی اور آپؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر آپؐ کے چچا عباس آپؐ کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ اے اہلِ مدینہ! اگر تم حضورؐ کی حفاظت کرسکو تو تم لے جاسکتے ہو، ورنہ انہیں یہیں رہنے دو۔ انہوں نے یک زبان ہوکر اس بات کا وعدہ کیا۔ اس ملاقات کے بعد آپؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو مکہ سے مدینہ منتقل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں مسلمانوں کو مدینہ روانہ فرماتے رہے اور خود اپنی روانگی کے لئے حکمِ الٰہی کے منتظر رہے۔

مکہ سے ہجرت

آخر ایک رات آپؐ بھی ہجرت کے لئے تیار ہوگئے۔ ادھر اسی رات کافروں نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اور آپؐ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ چونکہ عرب میں زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھا جاتا تھا اس لئے کافر باہر ہی ٹھہرے رہے، تاکہ آپؐ جس وقت باہر نکلیں، آپؐ کا کام تمام کردیا جائے۔ آپؐ کو بھی اس منصوبے کی خبر ہوچکی تھی۔ آپؐ رات کے اندھیرے میں اتنا چپکے سے نکل آئے کہ کافروں کو خبر تک نہ ہوئی آپؐ نے اپنی غیر حاضری میں حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا۔ تاکہ کافروں کو آپؐ کے جانے کی خبر نہ ہو اور نیز آپؐ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں، حضرت علیؓ وہ بھی واپس کردیں۔ حضرت

ابو بکرؓ نے پہلے ہی سے تیاری کر رکھی ہوئی تھی، دونوں مدینے کی طرف روانہ ہوگئے۔ چونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ صبح ہوتے ہی کافر تعاقب شروع کردیں گے، اس لئے آپؐ نے مکہ سے نکل کر جبلِ ثور کے ایک غار میں پناہ لی جہاں آپؐ تین روز پوشیدہ رہے۔ صبح ہوتے ہی جب کافروں کو، جو رات بھر آپؐ کے مکان کے گرد پہرہ دیتے رہے تھے، معلوم ہوا کہ آپؐ نکل گئے ہیں تو وہ اپنی ناکامی پر بہت جھنجلائے۔ حضرت علیؓ کو جو اس وقت کم عمر تھے، ڈرایا دھمکایا، مگر بے سود۔ ناچار چاروں طرف تلاش کے لئے نکلے۔ اور آپ کو گرفتار کرنے والے کو سو اونٹ دینے کا اعلان کیا۔ کافروں کی ایک پارٹی آپؐ کو ڈھونڈتی ڈھونڈتی غارِ ثور کے دہانے تک آ پہنچی لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت سے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا، اور کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلا بنا کر انڈے بھی دے دئے تھے۔ ان شواہد سے کافروں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپؐ اس غار میں نہیں ہیں اور واپس چلے گئے (علامہ شبلی نے ان روایات کی صحت سے انکار کیا ہے۔ دیکھو شبلی اول ۲۷۲)

مدینہ میں داخلہ

بہرحال آپ چوتھے دن غار سے نکلے اور منزل بمنزل قیام کرتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچے۔ ادھر سارا مدینہ آپ کے لئے چشم براہ تھا۔ ہزاروں لوگ روزانہ کئی میل شہر سے باہر نکل کر انتظار کرتے۔ آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں اور آپؐ مدینہ کی ایک بیرونی بستی قبہ تک پہنچ گئے۔ یہاں آپؐ نے چودہ دن (بعض مورخین کے نزدیک چار دن) قیام کیا، اور وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ اس اثنا میں حضرت علیؓ بھی مکہ سے آگئے۔ چودہ دن کے بعد آپ ۸ ربیع الاول سنہ ۱۴ نبوی یا ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء جمعہ کے دن (شبلی اول۔ ۲۷۷) مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں قیام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر سات مہینہ رہے جب تک کہ مسجد نبوی کے پاس آپؐ کا اپنا رہائشی مکان تیار نہ ہوگیا۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخاۃ (بھائی چارہ)

مکہ سے ہجرت کرنے والے مسلمان بالکل بے سروسامانی کی حالت میں گھر سے نکلے تھے۔ کچھ دن تو یہ لوگ انصار کے ہاں مہمان کی حیثیت سے رہے۔ لیکن ان کو یہ بات ناپسند تھی۔ کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔ اس لئے ان کے مستقل بسانے کا انتظام از حد ضروری تھا۔ آپؐ نے یہ تدبیر سوچی کہ ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا کر اس کے سپرد کر دیا۔ انصار نے آپؐ کے قائم کئے ہوئے رشتہ کو سگے رشتہ سے بھی زیادہ سمجھا اور اپنی ہر ایک چیز کے دو حصّے کر کے ایک حصّہ اپنے مہاجر بھائی کو پیش کر دیا۔ انصار زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے تھے اور مہاجرین (حضرتِ ابوبکرؓ۔ عثمانؓ وغیرہ) تجارت پیشہ تھے اور کھیتی باڑی کے فن سے بالکل ناآشنا۔ اس لئے انہوں نے زمین وغیرہ لینے سے انکار کر دیا اور تجارت کو ترجیح دی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف کو ان کے انصار بھائی نے ہر ایک چیز کا نصف حصّہ پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے صرف بازار کا رستہ بتا دیجئے۔ بازار میں جاکر انہوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں کافی دولت پیدا کر لی۔ اسی طرح حضرتِ ابوبکرؓ نے کپڑے کا کارخانہ کھول لیا۔ حضرتِ عثمانؓ کھجور کی تجارت کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کی تجارت کی وسعت ایران تک تھی۔ (شبلی اول ۲۷۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر تھی۔ اب تک مدینہ میں کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمان جہاں جگہ دیکھتے نماز پڑھ لیتے۔ آپؐ کے تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد مسجد کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ مسجد کی دیواریں کچّی اینٹوں کی تھیں۔ کھجور کی لکڑی کے ستون تھے۔ چھت بھی کھجور کی شاخوں اور پتوں کا تھا۔ غرض

صحیح معنوں میں اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ مسجد کے ساتھ آپؐ کی رہائش کے لئے چند حجرے بنا دئے گئے۔ یہ حجرے بھی کچّے تھے۔ مسجد کی تعمیر میں آپؐ نے اور صحابہ نے، مل کر مزدوروں کا کام کیا۔ مسجد کے ایک حصّہ میں ایک مسقف چبوترہ تعمیر کیا گیا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اپنا گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ اس چبوترے کو صفہ کہتے تھے اور اس میں بود و باش رکھنے والے اہلِ صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرتِ ابوذر غفاریؓ اہلِ صفہ کے سرتاج تھے۔

مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں یہودی بھی کافی تعداد میں آباد تھے۔ یہ لوگ بہت دولت مند اور طاقت ور تھے۔ مدینہ کے آس پاس ان کی بہت سی بستیاں اور قلعے تھے۔ آپؐ نے مصلحتِ وقت سمجھ کر آتے ہی یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا، تاکہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات زیادہ واضح اور منضبط ہو جائیں۔ اس معاہدہ کی موٹی موٹی شرطیں یہ تھیں :۔

۱۔ دونوں فریق اپنے اپنے دین پر قائم رہیں گے، اور ایک دوسرے پر ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے۔

۲۔ اگر دونوں پر کسی بیرونی دشمن نے حملہ کیا تو دوسرا فریق اس کی حمایت کرے گا۔

۳۔ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔

۴۔ ایک فریق کے حلیف (ساتھی) دوسرے فریق کے بھی حلیف سمجھے جائیں گے۔

۵۔ اگر فریقین میں کوئی جھگڑا ہوا تو آنحضرتؐ کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا ہوگا۔

مدینہ میں مخالفین کی ایک نئی جماعت منافق

مدینہ میں آکر جہاں ایک طرف مصیبتوں میں کمی ہوئی وہاں دوسری طرف ان میں کچھ اضافہ بھی ہو گیا۔ مکہ میں صرف قریش مخالف تھے

مدینہ میں یہودیوں کے علاوہ ایک تیسری قسم کے مخالفین کا گروہ پیدا ہو گیا۔ یہ منافقوں کا گروہ تھا۔ بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر درپردہ اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے تھے۔ مارِ آستین ہونے کی وجہ سے یہ گروہ قریش اور یہود سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ یہ مدینہ کا سب سے بڑا رئیس تھا اور آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے وہاں کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بلکہ انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کی بھی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ (تاریخ ملت اول ۶۲) اب جب اس نے اپنی بادشاہت کا خواب پریشان ہوتے دیکھا تو مسلمانوں کا مخالف ہو گیا۔ لیکن چونکہ مدینہ میں ہر خاص و عام اسلام کی طرف مائل تھا، اس لئے مصلحتاً وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ مگر درپردہ اپنی مخالفت جاری رکھی، اور مرتے دم تک اپنی ناپاک کوششوں میں لگا رہا۔ اس طرح کفارِ مکہ کے علاوہ دو اور گروہ یعنی مدینہ کے یہود اور منافقین مسلمانوں کے حریف پیدا ہو گئے۔ ان تینوں کی ساز باز بہت جلد رنگ لائی۔ مسلمان تو صلح اور آشتی کی تلاش میں مدینہ آئے تھے۔ مگر ان کے دشمن لڑائی کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ ہجرت کے بعد اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جسے دورِ غزوات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

باب ۶

سلسلۂ غزوات

جنگِ بدر ۲ھ

جہاد کا حکم۔ مسلمان جب مکہ سے مدینہ ہجرت کر آئے تو ان کا خیال تھا کہ انہیں امن و امان نصیب ہو گا اور وہ کفارِ مکہ کی دستبرد سے باہر ہو گئے لیکن یہاں آ کر ایک لحاظ سے ان کے مصائب میں اضافہ ہو گیا۔ اب انہیں کفارِ مکہ کے علاوہ دو اور مخالف گروہوں سے سابقہ پڑا۔ ایک مدینہ کے یہودی اور دوسرے منافقین، جن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ منافقین وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے مگر درپردہ اسلام کو مٹانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اب ان تینوں گروہوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ ہجرت کے فوراً بعد کفارِ مکہ نے عبداللہ بن اُبی سے نامہ و پیام شروع کر دیا مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر حملے کا کھٹکا لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جنگِ بدر سے پہلے آپؐ اور آپؐ کے ساتھی رات بھر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ آخر ۲ھ میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ مسلمان اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کافروں کا مقابلہ کریں۔ اس قسم کی لڑائی کو اسلامی شریعت میں جہاد کہتے ہیں۔ اس حکم کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن لڑائیوں میں رسولِ اکرمؐ خود شریک ہوئے انہیں غزوہ کہا جاتا ہے۔ اور جن میں آپؐ شریک نہیں ہوئے انہیں سریہ۔ غزوات کی کل تعداد ۲۳ بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے صرف دو میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی ایک جنگِ اُحد

ہیں، وہ بھی اس لئے کہ مسلمانوں کے ایک دستہ نے آپؐ کے حکم کے خلاف اپنی جگہ چھوڑ دی اور دوسرے جنگِ حنین میں، جس میں مسلمانوں کو اپنی طاقت پر بہت غرور ہو گیا تھا۔ ان میں سے بعض لڑائیاں خاص طور پر جنگِ بدر (۲ھ) جنگِ اُحد (۳ھ) اور جنگِ خندق یا جنگِ احزاب (۵ھ) نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ یہاں صرف انہی مشہور لڑائیوں کا ذکر کیا جائے گا۔

جنگِ بدر کے اسباب

۱۔ جب سے مسلمانوں نے مدینہ میں پناہ لی تھی، کفارِ مکہ مسلسل اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں سے یہ جائے رہائش بھی چھین لی جائے۔ ہجرت کے چند ہی روز بعد قریش نے عبداللہ بن ابی کو (جو ہجرت سے پہلے مدینہ کا بے تاج بادشاہ تھا اور اب منافقین کا سردار) ایک خط لکھا کہ محمدؐ کو یا قتل کر دو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ ادھر قریش نے یہودیوں سے بھی ساز باز کر رکھی تھی۔ کیونکہ یہودی بھی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھے۔ کفارِ مکہ، یہود، اور منافقین کی یہ سازش آخر رنگ لائی۔

۲۔ اُسی زمانہ میں حضرتِ سعد بن معاذ جو مدینہ کے انصار کے سردار تھے مکہ گئے۔ وہاں خانہ کعبہ میں ان کی ابوجہل سے ملاقات ہو گئی۔ ابوجہل نے دھمکی دی کہ تم نے ہمارے دشمنوں (یعنی مسلمانوں) کو پناہ دی ہے۔ ہم تمہیں حج نہیں کرنے دیں گے۔ سعد نے جواب دیا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہاری شام کی تجارت کا راستہ روک دیں گے۔ ابوجہل کی اس دھمکی سے انصار میں بہت ناراضگی پھیلی۔

۳۔ کعبہ کی توقیر کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل ان کے زیرِ اثر تھے۔ چونکہ آنحضرتؐ کو کفارِ مکہ کے حملہ کا ہر وقت اندیشہ تھا، اس لئے آپؐ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان بہت سے قبائل کو غیر جانب دار رہنے پر آمادہ کر لیا۔ آپؐ کا ایسا کرنا بطورِ حفظِ ماتقدم

تھا لیکن قریش نے اسے جنگ کی تیاری سمجھا اور مشتعل ہو گئے۔

۴۔ جنگِ بدر سے کچھ عرصہ پہلے کفارِ مکہ کی طرف سے شرارت کی ابتدا ہو چکی تھی۔ ایک قریشی سردار کرز بن جابر فہری نے ایک دفعہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا اور بہت سے مویشی ہنکا کر لے گیا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ ایک جارحانہ اقدام تھا۔

۵۔ کرز بن جابر فہری کے بعد مسلمانوں نے بھی اپنے چھوٹے چھوٹے ہتھیار بند دستے مدینہ کے اطراف و جوانب میں بھیجنے شروع کر دیے تاکہ قریش پر آشکارا ہو جائے کہ مسلمان بھی تیار ہیں اور دوسرے انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مسلمان ان کی شام کی تجارت کا راستہ بند کر سکتے ہیں۔ اس تجارت پر قریش کی ساری طاقت کا دارومدار تھا۔ مسلمانوں کا یہ اقدام قریش کے لئے مستقل خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ مدینہ سے مسلمانوں کا بالکل صفایا کر دیا جائے۔

۶۔ انہی دنوں مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے جتھے کو عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں قریش کی ٹوہ لگانے کے لئے بمقام نخلہ بھیجا گیا۔ یہ جگہ مکہ سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر تھی۔ عبداللہ کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ صرف حالات کا پتہ لگائے۔ لیکن اتفاق سے وہاں ان کی قریش کے ایک چھوٹے سے قافلے سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جس میں قریش کا ایک شخص ابن الحضرمی مارا گیا اور دو گرفتار ہوئے۔ یہ لوگ قریش کے چوٹی کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؐ کو جب خبر ہوئی تو آپؐ عبداللہ بن جحش پر بہت ناراض ہوئے۔ کیونکہ اُسے قافلے پر حملے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ قریش اس واقعہ سے بہت مشتعل ہوئے۔ عرب میں ایسے ہی واقعات سے لڑائیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ابن الحضرمی کا قتل

قریش اور مسلمانوں کے درمیان مستقل جھگڑے کی بنیاد بن گیا۔

۷۔ ابن الحضرمی کے قتل کا واقعہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہُوا تھا کہ ایک واقعہ اور پیش آگیا۔ انہی دنوں ابو سفیان (حضرت معاویہؓ کا باپ اور قریش کا رئیسِ اعظم) تجارت کی غرض سے شام گیا ہُوا تھا۔ واپسی پر راستہ میں مدینہ پڑتا تھا۔ ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ ابن الحضرمی کے قتل کی خبر اسے مِل گئی۔ اسے ڈر پیدا ہُوا کہ کہیں مسلمان اس کے قافلہ پر بھی حملہ نہ کر دیں۔ اس نے ابوجہل کو کہلا بھیجا کہ میری مدد کو آؤ۔ ابوجہل موقعہ کی تلاش میں تھا، اس نے مکّہ میں مشہور کر دیا کہ مسلمانوں نے ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کر دیا ہے۔ چونکہ مکّہ کے بہت سے آدمیوں نے اس قافلہ کی تجارت میں اپنا روپیہ لگایا ہُوا تھا۔ اس لئے قریش کا ایک لشکر ابوسفیان کے قافلے کے بچاؤ کے لئے مکّہ سے نکل پڑا۔ ادھر ابوسفیان راستہ کاٹ کر صحیح سلامت مکّہ پہنچ گیا۔ مگر ابوجہل نے قریش کے لشکر کو واپس نہ ہونے دیا۔ اور وہ مدینہ پر حملہ کی غرض سے آگے بڑھتے گئے۔ جب مسلمانوں کو خبر ہوئی تو وہ بھی مقابلے کے لئے نکل آئے اور دونوں فوجیں بدر کے میدان میں آمنے سامنے ہو گئیں۔

بدر کا معرکہ۔ ۱۷ رمضان ۲ھ

قریش کا لشکر پورے ساز و سامان سے نکلا تھا۔ اس کی کل تعداد ایک ہزار تھی۔ جس میں سے ایک سو سوار تھے۔ تقریباً تمام نامور رؤسائے قریش سوائے ابولہب کے اس میں شامل تھے۔ آنحضرتؐ کے چچا عباس بھی قریش کی طرف سے لڑنے والوں میں تھے۔ قریش کے لشکر کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ تھا جو قریش کا ایک معزز رئیس تھا۔ بدر کے قریب لشکرِ کفّار کو معلوم ہُوا کہ ابوسفیان کا قافلہ جس کی خاطر وہ مکّہ سے نکلے تھے مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ اب لڑنا

ضروری نہیں مگر ابوجہل نہ مانا اور قریش کے لشکر نے بدر کے قریب (مدینہ سے ۸۰ میل دُور) ڈیرے ڈال دئے۔

قریش کے حملہ کی خبر سُن کر رسولِ اکرمؐ نے مہاجرین اور انصار دونوں کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ حضرتِ ابوبکرؓ اور حضرتِ عمرؓ نے مہاجرین کی طرف سے جاں نثارانہ تقریریں کیں۔ آپؐ نے انصار کی طرف اشارہ کیا تاکہ ان کا عندیہ معلوم ہو جائے۔ اس وقت تک مدینہ میں مہاجرین کی کُل تعداد سو سے زیادہ نہ تھی، اس لئے انصار کی امداد کے بغیر قریش کا مقابلہ ناممکن تھا۔ آپؐ کو تامّل اس لئے تھا کہ انصار نے آپؐ کو مدینہ بلاتے وقت یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائیں گے جب تک کوئی بیرونی دشمن مدینہ پر حملہ نہ کرے۔ آن حضرتؐ کی تجویز یہ تھی کہ دشمن کو راستہ ہی میں روک لیا جائے۔ چونکہ دشمن سے متوقع ٹکّر مدینہ سے ذرا فاصلے پر ہوتی تھی، اس لئے انصار سے ان کا ارادہ معلوم کرنا ضروری تھا۔ انصار نے آپؐ کی تجویز کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔

انصار کے سردار حضرتِ سعد بن عبادہ نے اُٹھ کر کہا: "یا رسُول اللہ! آپؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ خدا کی قسم! ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہیں ہیں۔ اگر آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں کُود پڑیں۔" اس جواب پر آپؐ بہت خوش ہوئے اور فوراً تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ مسلمانوں میں شوقِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ کمسن بچّے بھی جہاد میں حصّہ لینے کے لئے بے قرار تھے۔ مدینہ سے ایک میل دُور فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو کم عمر تھے واپس کر دئے گئے۔ اس طرح جب آپؐ مدینہ سے نکلے تو مسلمانوں کی کل تعداد ۳۱۳ تھی۔ جن میں ۷۴ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ اس مختصر سی فوج کے پاس صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں اور ستّر اُونٹ تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں بہت کم آدمیوں کے پاس پُورے ہتھیار تھے۔ لیکن ساز و سامان کے نہ ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ جہاد

کے نشہ سے سرشار تھے۔ اور انہیں یقین کامل تھا کہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود دشمن پر غالب آئیں گے۔ جب مسلمانوں کا لشکر بدر کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ کفار وادی کے دوسرے سرے پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔

۱۷۔ رمضان سنہ ۲ھ جمعہ کے دن دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا۔ آج مسلمانوں کے ایمان اور ایثار کا امتحان تھا۔ کیونکہ ان کے مقابلے پر ان کے اپنے ہی بھائی بند تھے۔ جہاں ایک طرف کفار کی صف میں آپؐ کا داماد ابو العاص۔ آپؐ کے چچا عباس۔ آپؐ کا بھتیجا عقیل بن ابوطالب حضرت علیؓ کا بھائی۔ حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا۔ حضرت عمرؓ کا ماموں اور حضرت ابو عبیدہ کا باپ شامل تھے۔ وہاں دوسری طرف قریش کے سپہ سالار عتبہ کا اپنا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔

عرب میں دستور تھا کہ عام جنگ سے پہلے طرفین کے نامور بہادر انفرادی طور پر لڑا کرتے تھے۔ سب سے پہلے کفار کی طرف سے ان کا سپہ سالار عتبہ اور اس کے دو بیٹے میدان میں آئے۔ عتبہ اور اس کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہوگئی اس عام لڑائی میں قریش کے تمام نامی گرامی سردار مارے گئے جن میں آپؐ کے بدترین دشمن ابوجہل اور امیہ بن خلف بھی تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے ۱۴ اشخاص (چھ مہاجر اور آٹھ انصار) شہید ہوئے۔ قریش کے ستر آدمی قتل اور اسی قدر قید ہوئے۔ قیدیوں میں آپؐ کے چچا عباس، آپؐ کے داماد ابوالعاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بھی شامل تھے۔

جب قیدی مدینہ لائے گئے تو آپؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے؟ اس زمانہ میں عام دستور یہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو یا تو میدان جنگ ہی میں قتل کر دیا جاتا تھا یا انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان لوگوں نے آپؐ کو ہمیشہ تکلیفیں دی ہیں۔ اس لئے ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے عزیز کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ اس کے برخلاف حضرت

ابوبکرؓ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے پاس کچھ سرمایہ بھی آ جائے (بہت سے مہاجرین اس وقت تک سخت مفلوک الحال تھے۔ کیونکہ وہ اپنا سب کچھ مکہ چھوڑ آئے تھے۔) اور ان لوگوں کے لئے اسلام لانے کا موقعہ بھی باقی رہے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور آخر یہ تجویز ٹھہری کہ جو مالدار قیدی ہیں وہ فدیہ لے کر چھوڑ دئے جائیں، اور جو غریب ہیں وہ دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک علم کی کتنی قدر تھی۔

بدر کے نتائج

گو جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کی تعداد دُنیا کی بعض دُوسری بڑی لڑائیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی، لیکن نتائج کے اعتبار سے جنگ بدر دُنیا کی فیصلہ کُن لڑائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس لڑائی نے کفر اور اسلام کے درمیان فیصلہ کرنا تھا کہ ان دونوں میں سے کون زندہ رہ سکتا ہے۔ آخر فیصلہ اسلام کے حق میں ہوا۔ صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے کہ لڑائی سے پہلے رسولِ اکرمؐ بار بار دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے کہ "اے خدا! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا وہ آج پورا کر۔ اگر یہ چند بندے آج مِٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔"

جنگِ بدر کے نتائج حسب ذیل تھے:۔

۱۔ معرکۂ بدر اسلام کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس جنگ میں قریش کے بہت سے نامور سردار جن میں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل اور امیہ بن خلف خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مارے گئے۔ ان کے مارے جانے سے کفارِ مکہ کمزور پڑ گئے اور ان کا اصلی زور ٹوٹ گیا۔

۲۔ مدینہ میں منافقین کے گروہ کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ اس وقت تک عبداللہ بن ابی، اسلام کی علانیہ مخالفت کرتا تھا۔ مگر بدر کے بعد اسے علانیہ

مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔

۳۔ مسلمانوں کو کثرت کا خوف نہ رہا اور یہی بات ان کی آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔

۴۔ بدر کے بعد جہاں ایک طرف منافقین کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، وہاں دوسری طرف مسلمانوں کی غیر متوقع فتح نے مدینہ کے یہودیوں کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اب تک وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مٹھی بھر مسلمان، قریش کی مخالفت کے آگے ٹھہر نہ سکیں گے۔ اور آہستہ آہستہ فنا ہو جائیں گے۔ مگر اب انہیں احساس ہو گیا کہ اسلام ایک نہ مٹنے والی طاقت بن گیا ہے۔ اس سے ان کی آتشِ حسد اور بھڑک اٹھی اور اب انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدے کی پاسداری کو چھوڑ دیا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

بدر میں مسلمانوں کی فتح کے اسباب

اگر ایک شخص چشم ظاہر بین سے بدر کے میدان میں کفار اور مسلمانوں کی فوج کا موازنہ کرتا، تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا کہ کفار کی فتح یقینی ہے۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمان صرف تین سو تیرہ۔ قریش کی فوج میں سو سوار تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے۔ قریش کا ہر سپاہی ہتھیاروں سے لیس اور سر تا پا لوہے میں غرق۔ مسلمانوں میں بہت کم آدمیوں کے پاس پورے ہتھیار تھے۔ قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کر سکتے تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کے پاس صرف اللہ کا نام۔ قریش کی فوج میں عرب کے نامور سپہ سالار موجود، مسلمانوں میں اکثر وہ اشخاص جو پہلی بار خدا کے نام پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ مگر ان ظاہری اسباب کے باوجود مسلمانوں کی قلیل جماعت کو کفار کے عظیم الشان لشکر پر فتح ہوئی۔ اس میں کچھ تو تائیدِ الٰہی کا ہاتھ تھا اور کچھ ایسے اسباب جن کو چشم ظاہر بین دیکھ نہیں سکتی لیکن جو ایک حقیقت شناس سے چھپ نہیں سکتے۔

۱۔ قریش میں نا اتفاقی تھی۔ کفار کے لشکر میں بہت سے لوگ لڑنے پر راضی نہ تھے۔ قریش دراصل ابوسفیان کا قافلۂ تجارت بچانے کے لئے نکلے تھے۔ بدر کے قریب جب خبر آگئی کہ ابوسفیان صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا ہے تو بعض لوگوں کے نزدیک، اب آگے بڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اسی بنا پر قبیلہ عدی اور قبیلہ زہرا کے آدمی واپس چلے گئے۔ قریش کا سپہ سالار عتبہ بھی لڑنے پر راضی نہ تھا اور اپنے پاس سے ابن الحضرمی کا خون بہا دینے کے لئے تیار تھا۔ مگر ابوجہل نہ مانا۔

۲۔ کثرتِ تعداد کے علاوہ کفار کے لشکر کو مسلمانوں کے لشکر پر ایک فوقیت حاصل تھی۔ وہ یہ بھی کہ ان کے پاس سو سوار تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو۔ لیکن تائید غیبی سے یہ فوقیت انہیں کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا سکی۔ جو جگہ قریش نے منتخب کی تھی جنگِ بدر کی رات بارش ہونے کی وجہ سے وہ جگہ کیچڑ سے بھر گئی۔ اور ان کے سپاہیوں کے لئے (خاص طور پر آہن پوش سواروں کے لئے) چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا۔ قریش کی فوج کا بہترین حصہ اپنی سرعتِ رفتار کھو بیٹھا جس پر اُس زمانے میں (اور آج کل بھی) فتح اور شکست کا انحصار ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی فوج پر جو فوقیت انہیں حاصل تھی وہ رائیگاں گئی۔

۳۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ نے خود مسلمانوں کی صفیں درست کی تھیں۔

۴۔ قریش نے مرعوب ہو کر مسلمانوں کی تعداد کا غلط اندازہ لگایا تھا، یعنی اپنے سے دوگنا۔ اس حقیقت کی طرف قرآنِ پاک میں بھی اشارہ ہے۔ سورہ آل عمران میں آیا ہے کہ "وہ (یعنی کفار) اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے۔"

۵۔ مسلمان رات کو سو کر اٹھے، اس لئے تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار رات بھر بے اطمینانی کی وجہ سے سو نہ سکے، صبح اٹھے تو ان میں گھبراہٹ عام تھی۔

مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔

۳۔ مسلمانوں کو کثرت کا خوف نہ رہا اور یہی بات ان کی آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔

۴۔ بدر کے بعد جہاں ایک طرف منافقین کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں، وہاں دوسری طرف مسلمانوں کی غیر متوقع فتح نے مدینہ کے یہودیوں کو اور بھی بھڑکا دیا۔ اب تک وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مٹھی بھر مسلمان، قریش کی مخالفت کے آگے ٹھہر نہ سکیں گے۔ اور آہستہ آہستہ فنا ہو جائیں گے۔ مگر اب انہیں احساس ہو گیا کہ اسلام ایک نہ مٹنے والی طاقت بن گیا ہے۔ اس سے ان کی آتشِ حسد اور بھڑک اٹھی اور اب انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدے کی پاسداری کو چھوڑ دیا۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

بدر میں مسلمانوں کی فتح کے اسباب

اگر ایک شخص چشم ظاہر بین سے بدر کے میدان میں کفار اور مسلمانوں کی فوج کا موازنہ کرتا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا کہ کفار کی فتح یقینی ہے۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمان صرف تین سو تیرہ۔ قریش کی فوج میں سو سوار تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے۔ قریش کا ہر سپاہی ہتھیاروں سے لیس اور سرتاپا لوہے میں غرق۔ مسلمانوں میں بہت کم آدمیوں کے پاس پورے ہتھیار تھے۔ قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کر سکتے تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کے پاس صرف اللہ کا نام۔ قریش کی فوج میں عرب کے نامور سپہ سالار موجود مسلمانوں میں اکثر وہ اشخاص جو پہلی بار خدا کے نام پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ مگر ان ظاہری اسباب کے باوجود مسلمانوں کی قلیل جماعت کو کفار کے عظیم الشان لشکر پر فتح ہوئی۔ اس میں کچھ تو تائیدِ الٰہی کا ہاتھ تھا اور کچھ ایسے اسباب جن کو چشم ظاہر بین دیکھ نہیں سکتی لیکن جو ایک حقیقت شناس سے چھپ نہیں سکتے۔

۱۔ قریش میں نا اتفاقی تھی۔ کفار کے لشکر میں بہت سے لوگ لڑنے پر راضی نہ تھے۔ قریش دراصل ابوسفیان کا قافلۂ تجارت بچانے کے لئے نکلے تھے۔ بدر کے قریب جب خبر آگئی کہ ابوسفیان صحیح سلامت مکہ پہنچ گیا ہے تو بعض لوگوں کے نزدیک، اب آگے بڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اسی بنا پر قبیلہ بنو عدی اور قبیلہ زہرا کے آدمی واپس چلے گئے۔ قریش کا سپہ سالار عتبہ بھی لڑنے پر راضی نہ تھا اور اپنے پاس سے ابن الحضرمی کا خون بہا دینے کے لئے تیار تھا۔ مگر ابوجہل نہ مانا۔

۲۔ کثرتِ تعداد کے علاوہ کفار کے لشکر کو مسلمانوں کے لشکر پر ایک فوقیت حاصل تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان کے پاس سو سوار تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف دو۔ لیکن تائید غیبی سے یہ فوقیت انہیں کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا سکی۔ جو جگہ قریش نے منتخب کی تھی جنگِ بدر کی رات بارش ہونے کی وجہ سے وہ جگہ کیچڑ سے بھر گئی۔ اور ان کے سپاہیوں کے لئے (خاص طور پر آہن پوش سواروں کے لئے) چلنا پھرنا دشوار ہو گیا تھا۔ قریش کی فوج کا بہترین حصہ اپنی سرعتِ رفتار کھو بیٹھا جس پر اُس زمانے میں (اور آج کل بھی) فتح اور شکست، کا انحصار ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی فوج پر جو فوقیت انہیں حاصل تھی وہ رائگاں گئی۔

۳۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ نے خود مسلمانوں کی صفیں درست کی تھیں۔

۴۔ قریش نے مرعوب ہو کر مسلمانوں کی تعداد کا غلط اندازہ لگایا تھا، یعنی اپنے سے دوگنا۔ اس حقیقت کی طرف قرآنِ پاک میں بھی اشارہ ہے۔ سورہ آل عمران میں آیا ہے کہ" وہ (یعنی کفار) اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے۔

۵۔ مسلمان رات کو سو کر اُٹھے، اس لئے تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار رات بھر بے اطمینانی کی وجہ سے سو نہ سکے، صبح اٹھے تو ان میں گھبراہٹ عام تھی۔

۶۔ مسلمان ایک نبی، ایک سپہ سالار اور ایک جھنڈے تلے لڑ رہے تھے۔ بخلاف اس کے کفّار میں کئی نامور سردار موجود تھے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو سپہ سالار سمجھ رہا تھا۔ عتبہ بن ربیعہ سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا مگر ابوجہل وغیرہ اس کی بات نہیں مانتے تھے۔

۷۔ عام حملے سے پہلے ہی ان کے تین نامور سردار مارے گئے۔ اس کے کچھ دیر بعد ابوجہل بھی قتل کر دیا گیا۔ اس سے دشمنوں میں ہلچل مچ گئی اور کافر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

جنگِ بدر مدافعانہ تھی یا جارحانہ؟

مخالفینِ اسلام نے یہ الزام لگایا ہے کہ جنگِ بدر کی اصلی غرض و غایت ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کو لوٹنا تھی نہ کہ قریش کے حملہ کا دفاع۔ بہت سے مسلمان مورخین اور اربابِ سیر نے بھی اس معاملہ میں ٹھوکر کھائی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب آپؐ مدینہ سے نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا۔ دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس وقت آپؐ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا۔ اور یہیں (نہ کہ مدینہ میں) فیصلہ ہوا کہ کفّار کے لشکر کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن مندرجہ ذیل شواہد سے معلوم ہو گا کہ آپ کو مدینہ ہی میں معلوم تھا کہ مقابلہ کفّار کے لشکر سے ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے اور آپؐ کفار کے لشکر ہی کو روکنے کے لیے مدینہ سے نکلے۔

۱۔ ابوسفیان کا قافلہ شام کی طرف سے آرہا تھا۔ اگر اسے لُوٹنا مقصود ہوتا تو مسلمان شام کی طرف یعنی شمال مغرب کی طرف چلتے نہ کہ مشرق کی طرف جس جانب کعبہ آباد ہے۔

۲۔ جنگِ بدر سے پہلے مکّہ اور مدینہ کے درمیان رہنے والے قبائل کو غیر جانبدار رکھنے کی غرض سے یا قریش کے تجارتی قافلوں کو مرعوب کرنے کے لئے مسلمانوں

چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بھیجی جاتی تھیں۔ ان میں انصار نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں لڑنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر اب بھی قافلہ پر حملہ مقصود ہوتا تو اس میں انصار موجود نہ ہوتے۔ جنگِ معرکۂ بدر میں انصار کی تعداد مہاجرین سے بہت زیادہ تھی (یعنی ۷۴ مہاجر اور باقی سب انصار)

۳۔ اگر قافلہ پر حملہ پیش نظر ہوتا تو مسلمانوں کو اتنی جمعیت سے نکلنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ سب کو معلوم تھا کہ ابوسفیان کے قافلے کے ساتھ صرف ستّر آدمی ہیں۔ ستّر آدمیوں کے مقابلہ کے لئے تین سو تیرہ آدمیوں کا لشکر تیار کرنا ایک بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ معاملہ اس سے زیادہ سنگین ہے اور انہیں سر دھڑ کی بازی لگانی ہو گی۔

۴۔ قرآنِ پاک میں ذکر ہے کہ جب جنگِ بدر کے لئے آنحضرتؐ مدینہ سے نکلے تو بعض لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے تھے گویا موت کے منہ میں جا رہے ہیں (سورۂ انفال) اگر مہم کا مقصد محض قافلے پر حملہ کرنا ہوتا تو ان کا یہ ڈر اور اضطراب بے معنی تھا۔ اس سے پہلے بارہا مسلمانوں نے کفّار کے قافلوں پر حملے کئے تھے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنے کی نیّت سے نہیں بلکہ لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کے لیئے نکلے تھے۔ اور سب کو معلوم تھا کہ اس معرکہ میں شہادت تک نوبت آئے گی۔

۵۔ اگر قافلہ پر حملہ مقصود ہوتا تو ہر عمر اور ہر قسم کے لوگوں کو شرکت کی اجازت دی جاتی۔ مگر اب چونکہ جہاد کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے معذور اور نابالغ لوگوں کو اجازت نہیں دی گئی۔

۶۔ جب ابوسفیان کے قافلے کی روانگی اور قریش کے حملے کی خبر آگئی، تو

مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا تھا جو صرف قافلے پر حملہ چاہتا تھا لیکن وحی کے ذریعہ ایسے لوگوں پر ان الفاظ میں ناراضگی ظاہر کی گئی: "تم یہ چاہتے ہو کہ جس گروہ سے کوئی خدشہ نہیں (یعنی قافلۂ تجارت) وہ تمہارے ہاتھ آجائے۔ لیکن اللہ چاہتا ہے کہ حق قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے (سورۂ انفال) اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کفر کی جڑ کاٹنے کی بجائے صرف قافلے پر حملے کی حمایت میں تھے۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں یہ امر صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ معرکۂ بدر کا اصلی سبب قریش کے حملہ کی مدافعت تھی۔ بدر کے متعلق اس عام غلط فہمی (ابوسفیان کے قافلۂ تجارت پر حملہ) کی وجہ یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ اصولِ جنگ کے مطابق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کرتے تھے کہ اسلامی فوج کو کس طرف جانا اور کس مقصد کے لئے جانا ہے۔ تاکہ دشمنانِ اسلام کو اصلیت کا پتہ نہ لگ جائے۔ مثلاً جب عبداللہ بن جحش کی جماعت کو قریش کی ٹوہ لگانے کے لئے بھیجا گیا تو اس کو ۔۔۔ ایک خط دیا گیا اور ۔۔۔ ہدایت کی گئی کہ اس کو فلاں مقام پر کھولنا۔ (شبلی اوّل ۳۱۳) اس وجہ سے بعض لوگ غزوات کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں شروع کر دیتے تھے۔ بدر کے متعلق بھی مختلف قیاس آرائیاں کی گئیں اور جو قیاس مذاقِ عام کے مطابق تھا وہی مشہور ہو گیا۔ (تمام بحث کے لئے دیکھو شبلی اوّل ۳۴۳ تا ۳۴۶)

باب

جنگِ اُحد ۳ھ

جنگِ اُحد کے اسباب

عرب میں ایک شخص کے قتل پر خوں ریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ بدر میں تو کفارِ مکّہ کے ستّر آدمی مارے گئے تھے۔ جن میں ابوجہل اور عتبہ جیسے رؤساء قریش بھی شامل تھے۔ اس لئے کفّار کا بدر کی شکستِ فاش کا انتقام لینے کی کوشش کرنا ایک قدرتی بات تھی لیکن غیرت کی وجہ سے روتے دھونے یا سوگ منانے کی ممانعت کر دی گئی۔ جب ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے تو انتقام کی تیاریاں شروع ہو گئیں فیصلہ ہوا کہ شام کے قافلۂ تجارت (جس کی وجہ سے بدر کا واقعہ پیش آیا تھا) کا کل منافع مسلمانوں پہ دوبارہ حملہ کرنے کے لئے ابوسفیان کے پاس بطور امانت جمع کرا دیا جائے۔ ابوجہل وغیرہ کے مرنے کے بعد ابوسفیان (بنی امیہ کا سردار اور حضرت معاویہ کا باپ) اب قریش کا رئیسِ اعظم تھا۔ کفارِ مکّہ جن میں ابوسفیان اور ابوجہل کا لڑکا عکرمہ پیش پیش تھے۔ پورا ایک سال تیاری میں مصروف رہے۔ ایک سال کے بعد ابوسفیان تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکّہ سے نکلا۔ اس مرتبہ ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دلائیں۔ عرب میں دستور تھا کہ جس لڑائی میں عورتیں ساتھ ہوتی تھیں، مرد جانوں پہ کھیل جاتے تھے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اگر شکست ہوئی تو عورتوں کی بے حرمتی ہو گی۔ ان عورتوں کی سرغنہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی، اس کا باپ عتبہ (جو بدر میں قریش کا سپہ سالار) اور اس کے دو بھائی بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے اور وہ انتقام کے لئے بے تاب تھی۔ اس

کا باپ حضرتِ حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس لئے اس نے ایک حبشی غلام کو حضرت حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ حبشی غلام گھات میں بیٹھ کر حربہ (ایک چھوٹا سا خنجر) پھینکنے میں ماہر تھا۔

معرکۂ اُحد

جب تیاری مکمل ہو چکی تو ابو سفیان تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکّہ سے نکلا۔ اس دفعہ لشکرِ کفار میں وہ بے ترتیبی اور بد انتظامی نہیں تھی جس کا مظاہرہ انھوں نے بدر میں کیا تھا۔ یہ لشکر مدینہ سے چھ میل شمال کی طرف اُحد کی پہاڑی کے قریب جا کر رُکا۔ آپؐ کے چچا حضرت عباس (جو اب مسلمان ہو چکے تھے مگر ابھی تک مکہ ہی میں تھے) نے آپؐ کو کفار کے ارادوں سے مطلع کر دیا تھا۔ بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن نوجوانوں نے اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے۔ کچھ تامل کے بعد آپؐ نے اس رائے کو مان لیا۔ جب آپؐ زرہ پہن کر باہر آئے تو نوجوانوں کو اپنے اصرار پر پشیمانی ہوئی کہ ہم نے آپؐ کی مرضی کے خلاف نکلنے پر مجبور کیا۔ مگر آپؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔ جب تیاری مکمل ہو چکی تو آپؐ ایک ہزار مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ لیکن تھوڑی دور ساتھ جا کر عبداللہ بن اُبی (مدینہ کے منافقین کا سرغنہ) اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اس بہانہ پر واپس ہو گیا کہ آن حضرتؐ نے میری بات نہیں مانی (یعنی قلعہ بند ہو کر مقابلہ نہیں کیا) اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں بے اطمینانی پھیلے۔ اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے تھے۔ جن میں سے صرف ایک سو کے پاس پورے ہتھیار تھے۔ اس لڑائی میں بچّوں نے بھی پورا جوشِ جہاد دکھایا۔ لیکن انہیں کم عمری کی بنا پر واپس کر دیا گیا۔ صرف دو لڑکوں کو ساتھ جانے کی اجازت دی گئی۔ ایک تو بہت اچھا تیر انداز تھا۔ دُوسرے نے کہا کہ میں اس کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔

جب دونوں کا مقابلہ کرایا گیا تو دوسرے لڑکے کا دعوےٰ بالکل صحیح نکلا۔ اس پر اس کو بھی جہاد میں شامل ہونے کی اجازت مِل گئی۔

مسلمانوں کا لشکر جب اُحد کی پہاڑی کے دامن میں پہنچا تو آپؐ نے میدانِ جنگ کا انتخاب یُوں کیا کہ اُحد کی پہاڑی مسلمانوں کی پشت پر تھی، تاکہ کافر عقب سے حملہ نہ کرنے پائیں۔ صرف ایک درّہ سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آپؐ نے پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت اس درّہ کی ناکہ بندی پر مقرر کر دی اور اس کو تاکید کی کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہ کو بالکل نہ چھوڑیں اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ حضرت حمزہؓ، حضرتِ علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ (عرب کے مشہور پہلوان) جس طرف رُخ کرتے تھے۔ دشمن کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت حمزہؓ اس حبشی غلام کی زد میں آ گئے جسے ہندہ نے انہیں قتل کرنے کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔ اس بدبخت نے تاک کر حربہ پھینکا اور آپؓ وہیں شہید ہو گئے۔ ہندہ نے آپؓ کا پیٹ چاک کر کے آپؓ کا جگر چبا ڈالا اور اس طرح اپنے انتقام کی آگ بجھائی۔ حضرتِ حمزہؓ کی شہادت کی خبر نے مسلمانوں کے لشکر میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی اور اب انہوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر چند مسلمان کافروں کا ساز و سامان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ درّہ کے تیر اندازوں نے جب دیکھا کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے ہیں تو وہ بھی درّہ کو چھوڑ کر اسی طرف لپکے۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف اور درّے کا راستہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک کافر تھے) پشت کی طرف سے اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو گئے اور وہ اپنی جمعیّت کھو کر دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹ گئے۔ اس بھگدڑ میں مسلمانوں کے لشکر کا علمبردار حضرتِ مصعب بن عمیر شہید ہو گئے

ان کی شکل آنحضرتؐ سے ملتی جلتی تھی۔ اس لئے یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضورؐ شہید ہوگئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کو اور بدحواس کر دیا اور ان میں سے بہت سے بددل ہو کر میدان چھوڑ گئے۔ ادھر جب مسلمانوں کی فوج منتشر ہو رہی تھی تو آنحضرتؐ کے ساتھ صرف بارہ ساتھی رہ گئے۔ آپؐ جاں نثاروں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے ان فداکاروں نے آپؐ کے گرد حلقہ بنا لیا لیکن ایک کافر آپؐ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور چہرۂ انور پر تلوار کا وار کیا۔ جس سے خود کی دو کڑیاں ٹوٹ کر آپؐ کے رخسارِ مبارک میں پیوست ہوگئیں۔ اسی طرح ایک اور کافر نے آپؐ کو پتھر سے زخمی کر دیا۔ جس سے آپؐ کے دو دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ اسی حالت میں ایک انصاری کعب بن مالک نے آپؐ کو دیکھ لیا اور پکارا کہ مسلمانو! رسول اللہؐ تو زندہ ہیں۔ یہ آواز سن کر مسلمان ہر طرف سے رسولِ اکرمؐ کی طرف دوڑ پڑے اور پھر مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی۔ اس اثنا میں ابوسفیان نے بھی آپؐ کو دیکھ لیا تھا اور وہ برابر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ نے اس قدر پتھر برسائے کہ وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی کافی تعداد پھر آنحضرتؐ کے گرد جمع ہوگئی ہے تو اس نے اسی فتح کو غنیمت جانا اور مکہ واپس لوٹ گیا۔ اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور ۲۳ کافر مارے گئے۔ اس طرح یہ لڑائی جس کی ابتدا میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی، چند آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے شکست میں تبدیل ہوگئی۔

باب ۴

مدینہ سے یہودیوں کا اخراج سنہ ۴ھ

یہودیوں کی مخالفت کے اسباب

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلام سے بہت پہلے یہودی بیت المقدس پر رومی قبضہ ہونے کے بعد (سنہ [illegible] عیسوی) بڑی تعداد میں فلسطین سے ہجرت کر کے مدینہ اور اس کی آس پاس کی بستیوں میں آ کر آباد ہوگئے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے مدینہ پر اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا۔ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ یا زمیندار تھے۔ اور انصار عموماً ان کے مقروض رہا کرتے تھے سیاسی اور اقتصادی فوقیت کے ساتھ ساتھ انہیں علمی اور مذہبی برتری کا بھی دعوےٰ تھا۔ عرب عموماً جاہل اور بت پرست تھے اور یہودی ان کی نسبت زیادہ مہذب، شائستہ اور پڑھے لکھے تھے۔ اس وجہ سے بھی عرب قبائل ان کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جب مسلمان مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو قدرتاً یہودیوں نے اسے اپنے اقتدار کے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھا۔ پہلے تو انہوں نے آنحضرتؐ کی طرف سے معاہدے کی پیشکش کو قبول کر لیا۔ مگر جوں جوں اسلام مضبوط ہوتا گیا یہودی علانیہ مخالفت پر اتر آئے۔ ان کی مخالفت کے اسباب مندرجۂ ذیل تھے۔

۱۔ **مذہبی** : مدینہ میں مدت دراز سے یہودیوں کی مذہبی فوقیت قائم تھی۔ اب اس میں کمی آگئی۔ اسلام سے پہلے مدینہ کے مشرکین میں یہودیت آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ اب اس کی رفتار دفعتاً رک گئی اور اس کی بجائے

اسلام سرعت سے پھیلنے لگا۔ اس کے علاوہ تبدیلیٔ قبلہ نے بھی یہودیوں کو اور برہم کردیا۔ اب تک آنحضرتؐ جن کو معاشرتی امور میں کوئی واضح حکم نہیں ہوتا تھا۔ یہودیوں کی تتبع کرتے تھے۔ تبدیلیٔ کعبہ کے بعد معاشرتی امور کے متعلق بہت سے واضح احکام نازل ہوئے۔ اس لئے آپؐ نے یہودیت کی موافقت چھوڑ دی۔

۲۔ **اقتصادی** : اسلام نے مدینہ میں آکر انصار کو اقتصادی آزادی بخشی۔ مہاجرین میں سے اکثر (حضرت ابوبکرؓ عثمانؓ وغیرہ) تجارت پیشہ تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی انصار نے بھی تجارت کی طرف توجہ کی اور اب وہ پہلے کی نسبت زیادہ خوشحال ہوگئے۔ اس سے پہلے وہ یہودیوں کے مقروض رہا کرتے تھے۔ جوں جوں انصار دولت مند ہوتے گئے، یہودیوں کی اقتصادی گرفت سے آزاد ہوتے گئے۔

۳۔ **اخلاقی** : امتدادِ زمانہ سے یہودیوں میں بہت سی اخلاقی اور سماجی خرابیاں گھر کر گئی تھیں۔ زرپرستی، طمع، کبر و غرور ان کی عادتِ ثانیہ بن چکے تھے دولت کو حاصل کرنے کے لئے ذلیل سے ذلیل حرکت سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ سود کی بڑی بڑی شرحیں مقرر کر رکھی تھیں۔ اور سود کے معاملہ میں بہت بے رحمی سے پیش آتے تھے اس کے علاوہ دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان میں بد اخلاقی بھی عام تھی۔ قرآن پاک میں ان تمام بُری عادتوں کی مذمت کی جاتی تھی اور یہودیوں کی طرف صاف صاف اشارے موجود ہوتے تھے۔ یہودی اس کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔

۴۔ **سیاسی** : ہجرت سے پہلے مدینہ اور اس کی نواحی بستیوں پر یہودیوں کا اثر و اقتدار تھا۔ گو تعداد میں وہ کم تھے لیکن انصار کی باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ جب بنی اوس اور خزرج (انصار کے دو مشہور قبیلے) ایمان لے آئے تو اسلام نے ان کو اخوت کے رشتہ میں پرو دیا اور ان میں پھر اتحاد قائم ہوگیا۔

ہجرت کے بعد آنحضرتؐ اور دیگر مسلمان بھی مدینہ میں آگئے اور مدینہ اسلام کا مرکز بن گیا۔ اس سے یہودیوں کے سیاسی اثر و اقتدار کو بھی بہت ضعف پہنچا۔ بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں کی پوزیشن اور مضبوط ہوگئی۔ یہودیوں کو مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور اسلام کی روز افزوں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اس لئے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔

بنی قینقاع کا اخراج

مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے مصلحت وقت سمجھ کر یہودیوں سے معاہدے کر لئے تھے۔ لیکن معاہدہ ہو چکنے کے بعد بھی وہ چپکے چپکے سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو بدر اور اُحد کی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ چونکہ کفارِ مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی، اس لئے معاہدہ کی رُو سے یہودیوں کو مسلمانوں کی امداد کرنا چاہیئے تھی۔ لیکن اس کے برعکس یہودیوں نے نہ صرف معاہدہ کی خلاف ورزی کی، بلکہ مسلمانوں کے خلاف اپنی سازشیں اور تیز کر دیں۔ بدر کی فتح نے انہیں اور زیادہ بدحواس کر دیا۔ اب انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ اسلام مٹ نہیں سکتا۔ اس وقت مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ، چونکہ بنی قینقاع سب سے زیادہ دولت مند اور طاقتور تھے، اس لئے عہد شکنی کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی۔ مسلمانوں اور یہودیوں کی جنگ کا آغاز ایک اتفاقی واقعہ سے ہوا ایک دن بنی قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کی بے عزتی کی اس پر ایک مسلمان کو غصہ آیا اور اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ رسول اکرمؐ یہودیوں کے پاس خود تشریف لے گئے اور نرمی سے معاملہ کو نپٹانے کی کوشش کی۔ مگر بنی قینقاع فساد پر آمادہ تھے۔ مسلمانوں نے مجبور ہو کر بنی قینقاع کے قلعے (یا قلعہ نما محلّے) کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے بعد یہودیوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ حضورؐ جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہوگا۔ آپؐ نے ان سرکش یہودیوں کو صرف یہی سزا دی کہ انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا۔

بنی نضیر کا اخراج

جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں کے دوسرے مشہور قبیلے بنی نضیر نے جنگ کی راہ اختیار کی اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک مسلمان نے بنی عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر دیا جنہیں آں حضرت امان دے چکے تھے۔ جب آپؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے خوں بہا دینے کا اعلان کر دیا۔ معاہدہ کی رو سے اس رقم کا ایک حصّہ بنی نضیر پر بھی واجب الادا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی بنی عامر کے حلیف تھے۔ آپؐ نے اس معاملہ میں بنی نضیر سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا اور آپؐ خود چند ممتاز صحابہ کو لے کر ان کے ہاں گئے۔ یہودیوں نے آپؐ کی بڑی عزّت کی، لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ قلعہ کی دیوار کے اوپر سے (جس کے سایہ میں آپؐ اس وقت کھڑے تھے) ایک بہت بڑا پتھر گرا کر آپؐ کو شہید کر دیا جائے جونہی ایک یہودی اس نیّت سے اُوپر چڑھا آپؐ کو اس کے بُرے ارادے کا حال معلوم ہو گیا اور آپؐ مدینہ واپس آ گئے۔ واپس آکر آپؐ نے بنی نضیر کو لکھ بھیجا کہ یا تو اپنا معاہدہ پورا کرو یا مدینہ سے نکل جاؤ۔ مگر انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر آپؐ نے مجبور ہو کر بنی نضیر پر فوج کشی کی۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ مگر اپنے بھائیوں بنی قینقاع کی طرح دو ہفتے کے بعد ہتھیار ڈال دئے۔ آپؐ نے ان کے ساتھ بھی بہت نرمی کا برتاؤ کیا۔ اور ان کی سازشوں کے باوجود انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی۔ بنی نضیر کے بہت سے سرکردہ اشخاص یہودیوں کی مضبوط بستی خیبر میں جا کر بس گئے اور وہاں بھی اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں۔ بعد میں انہی لوگوں کے اکسانے پر کفارِ مکہ نے تیسری بار مدینہ پر حملہ کیا جسے جنگِ خندق یا جنگِ احزاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بنی قریظہ کا اخراج

یہودیوں کے تیسرے مشہور قبیلے بنی قریظہ کا اخراج جنگِ خندق کے بعد ہوا۔ (جس کا ذکر اس کے بعد آئے گا) لیکن چونکہ یہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس لئے اس کا یہیں بیان کر دینا مناسب ہے۔

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں کو تجدیدِ معاہدہ کے لئے کہا گیا تھا۔ بنی نضیر نے اس سے انکار کیا تھا اور ان پر فوج کشی کی گئی تھی، اور انہیں مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ لیکن بنی قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا۔ جب جنگِ خندق میں تمام عرب قبائل اور بنی نضیر نے مل کر مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو بنی قریظہ کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کی گئی۔ اس نازک موقعہ پر جب کہ مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے، بنی قریظہ نے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ جنگِ خندق کے بعد جب کفّار کا لشکر محاصرہ میں ناکام ہو کر تتر بتر ہو گیا تو مسلمانوں نے بنی قریظہ کی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ بنی قریظہ اگر اب بھی صلح کی درخواست کرتے تو ان سے نرمی کا برتاؤ کیا جاتا۔ مگر وہ مقابلے کا ارادہ کر چکے تھے۔ تقریباً ایک مہینہ کے محاصرے کے بعد انہوں نے بھی اس شرط پر ہتھیار ڈال دئے کہ انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں، انہیں منظور ہو گا۔ سعد بن معاذ بنی قریظہ کے حلیف رہ چکے تھے اور یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ اس تعلق کی بنا پر ان کے ساتھ رعایت برتیں گے۔ حضرتِ سعد بن معاذ نے توریت کے مطابق فیصلہ دیا کہ ان کے لڑنے والے قتل کر دئے جائیں۔ عورتیں اور بچّے قید ہوں اور مال و اسباب مالِ غنیمت قرار دیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق بنی قریظہ قتل کر دئے گئے۔

باب ۹

جنگِ خندق ۵ھ

وجہ تسمیہ

اس لڑائی کا دوسرا نام جنگِ احزاب یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ (احزاب جمع حزب۔ بمعنی پارٹی یا گروہ) چونکہ اس لڑائی میں قریش، یہود اور دیگر عرب قبائل نے مل کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس لئے اس لڑائی کا یہ نام پڑ گیا۔ جنگِ خندق اسے اس لئے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک خندق کھودی تھی۔

جنگِ خندق کے اسباب

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں کی مخالفانہ سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قینقاع پہلے ہی مدینہ سے خارج کیا جا چکا تھا۔ جنگِ اُحد کے بعد چونکہ ان کے باقی ماندہ دو قبیلوں بنی نضیر اور بنی قریظہ سے نقضِ امن کا اندیشہ تھا اس لئے آں حضرتؐ نے ان سے معاہدوں کی تجدید کے لئے کہا۔ بنی قریظہ تو نیا معاہدہ کرنے پر راضی ہو گئے مگر بنی نضیر نے انکار کر دیا۔ اس پر مسلمانوں نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا اور انہیں مسلسل عہد شکنی کی بنا پر جلاوطن کر دیا گیا۔ بنی نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے جو اس وقت یہودیوں کا ایک مضبوط مرکز تھا۔ جلاوطن ہونے کے بعد یہودیوں کے دل کی کسک اور بڑھ گئی اور انہوں نے اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکنا چاہا لیکن ان میں از خود ایسا کرنے کی

ہمت نہ تھی۔ اس لئے ان کے چند سردار قریش کے پاس آئے اور انہیں اپنی مدد کا یقین دلا کر جنگ کے لئے اکسایا۔ ابو سفیان پہلے ہی تیار بیٹھا تھا۔ جنگِ احد سے واپس ہوتے وقت اس نے مسلمانوں کو دھمکی دی تھی کہ میں اگلے سال اس سے بھی زیادہ فوج لے کر آؤں گا۔ اس کے بعد یہ یہودی سردار بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی جنگ پر آمادہ کر لیا۔ بنی غطفان کی بستیاں خیبر سے متصل تھیں اور وہ مدت سے یہودِ خیبر کے حلیف چلے آتے تھے۔ اس طرح عرب کے اور بہت سے قبیلے جن کی قریش سے دوستی تھی یا جو بنی غطفان اور یہودیوں کے حلیف تھے، ان کے ساتھ مل گئے۔ آخر میں ان لوگوں نے بنی قریظہ (یہودیوں کا تیسرا مشہور قبیلہ) کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنی قریظہ ابھی تک مدینہ کے ایک حصے میں آباد تھے۔ الغرض کفار اور یہودیوں کا ایک متحدہ لشکر جس کی تعداد دس ہزار (بعض مورخین کے نزدیک چوبیس ہزار) تھی۔ مدینہ کی طرف بڑھا۔

خندق کی تیاری

جب آں حضرتؐ کو دشمن کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ چونکہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس لئے کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ ناممکن تھا۔ آخر یہی فیصلہ ہوا کہ مدینہ میں بیٹھ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ مدینہ کے ایک طرف اونچی پہاڑیاں تھیں۔ دوسری جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ صرف شمال کی طرف کا رُخ کھلا ہوا تھا۔ حضرتِ سلمان فارسی نے رائے دی کہ جس جانب سے دشمن کے حملے کا اندیشہ ہے اس طرف خندق کھود لی جائے اور مسلمان خندق کے اندر رہ کر جنگ کریں۔ آپؐ نے اس مشورہ کو قبول کر لیا اور فوراً تین ہزار مسلمان خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ خندق کی حدود آپؐ نے خود قائم کیں۔ دس گز زمین دس دس مسلمانوں پر تقسیم کر دی گئی۔ بیس دن کی محنتِ شاقہ

کے بعد خندق تیار ہوگئی۔ خندق کی کھدائی میں آپؐ بھی اپنے صحابہ کے
دوش بدوش شریک تھے۔ کئی کئی دن فاقہ کرتے کرتے گذر جاتے
تھے۔ بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لئے آپؐ اور دیگر صحابہ نے
پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ کہتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے
دوران میں ایک سخت پتھر آگیا جو کسی سے نہ ٹوٹتا تھا۔ آپؐ کدال
لے کر نیچے اُتر گئے اور ایک ہی ضرب میں اسے پاش پاش کردیا۔

مدینہ کا محاصرہ

ادھر خندق تیار ہوئی تھی کہ کفار کا لشکر آپہنچا۔ عرب والوں کے لئے خندق بالکل
نئی چیز تھی اور وہ اسے پار کرنے کی کوئی تدبیر نہ جانتے تھے۔
اس لئے کچھ دنوں تک دونوں جانب سے صرف تیر اندازی کا مقابلہ
ہوتا رہا۔ دشمن نے ہزار کوشش کی کہ وہ کسی طرح خندق کو
پار کرکے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے
آخر ایک دن عام حملے کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ اتفاق سے ایک
جگہ خندق ذرا کم چوڑی تھی۔ وہاں سے چار کافر خندق کو پار کرنے
میں کامیاب ہوگئے۔ ان میں سے ایک بہادر ایک ہزار آدمیوں کے
برابر سمجھا جاتا تھا۔ حضرتِ علیؓ نے ایک ہی وار میں اس کا کام
تمام کر دیا۔ دوسرا خندق میں گر کر مرگیا اور باقی دو بھاگ گئے۔
حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ یہی وہ
دن تھا جب آں حضرتؐ اور بہت سے صحابہ کی چار نمازیں قضا
ہوئیں۔ کیونکہ کفار کی مسلسل تیر اندازی اور سنگ باری کی وجہ سے
اپنی جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔ محاصرہ کی سختی اب انتہا کو پہنچ چکی
تھی اور مسلمانوں پر کئی کئی دن فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک دن چند
صحابہ نے بیتاب ہوکر آپؐ کو اپنے پیٹ کھول کر دکھائے۔ جن پر پتھر بندھے

ہوئے تھے۔ اس پر آپؐ نے اپنا شکمِ مبارک کھولا تو اس پر دو پتھر بندھے
ہوئے تھے۔

حضرت صفیہؓ کی بہادری

مسلمانوں کی عورتیں اور بچے جس قلعے میں حفاظت کی خاطر بھیجے گئے تھے
وہ بنی قریظہ کی بستی کے عین بالمقابل تھا۔ یہودی تمام مسلمانوں کو خندق
کی مدافعت میں مصروف دیکھ کر اس پر حملہ کی تاک میں تھے۔ ایک دن
ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لئے قلعہ کے پھاٹک کے پاس
پہنچ گیا۔ حسان بن ثابت (مشہور اسلامی شاعر) عورتوں اور بچوں
کے ساتھ اس قلعہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ حضرتِ صفیہ (آنحضرتؐ
کی پھوپھی) نے حسان سے کہا کہ نیچے اُتر کر اس کو قتل کردو۔ انہوں
نے اپنی معذوری ظاہر کی۔ اس پر حضرتِ صفیہ خیمے کی ایک طناب
لے کر خود نیچے اُتر گئیں اور موقعہ تاک کر یہودی کے سر پر اس زور
سے دے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ جب واپس قلعہ میں پہنچیں تو
حسان سے کہا کہ اچھا اب اس کے ہتھیار وغیرہ چھین لاؤ۔ حسان نے کہا
مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ حضرتِ صفیہ پھر نیچے اُتریں، اور
یہودی کا سر کاٹ لائیں۔ اس سے یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ مسلمانوں
کی فوج قلعہ میں بھی متعین ہے۔

کفار میں پھوٹ اور محاصرہ کا اختتام

محاصرہ کی سختی نے مسلمانوں کو تو بیتاب کر ہی رکھا
تھا لیکن اس کے ساتھ ہی دشمن کی حالت بھی بُری ہو رہی تھی۔ جُوں
جُوں دن گذرتے گئے۔ ان کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ اتنے
بڑے لشکر کے لئے رسد وغیرہ کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔
ایک طرف ان کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا اور اُن کے

جانور بھوکے مر رہے تھے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے خدائی لشکر یعنی آندھی اور جھکڑ بھیج دئے۔ ایک رات اس زور کا طوفان آیا کہ کافروں کے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ اور چولہے پر ہانڈیاں الٹ الٹ گئیں۔ ادھر اتحادیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس میں ایک غطفانی رئیس نعیم بن مسعود کا ہاتھ تھا۔ جو مسلمان ہو چکا تھا مگر کفار کو اس کا علم نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ بنی قریظہ نے جنگ میں اس شرط پر شرکت کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے چند معزز آدمی بنی قریظہ کے سپرد کر دیں گے تاکہ قریش لڑائی کا فیصلہ ہوئے بغیر انہیں چھوڑ کر نہ چلے جائیں لیکن قریش نے یہ شرط پوری نہ کی۔ اس وجہ سے یہودیوں کے دل میں قریش کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور انہوں نے آنحضرتؐ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر بنی نضیر کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دی جائے تو وہ کفار کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ بات آپؐ سے کسی طرح نعیم بن مسعود کو معلوم ہو گئی اور انہوں نے اسے قریش تک پہنچا دیا۔ اس سے قریش بھی بنی قریظہ سے بدگمان ہو گئے اور اس طرح قریش اور یہودیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

الغرض ایک مہینہ کے طویل محاصرے کے بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ کفار خود بخود محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ سردی کی شدت آندھی کا زور، محاصرے کے طول اور یہود کی علیحدگی نے قریش کو بددل کر دیا اور ابوسفیان نے واپسی کا حکم دے دیا۔ اب کفار ایسے بھاگے کہ پھر کبھی مدینہ کا رخ نہ کیا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کے چھ افراد شہید ہوئے اور صرف چار کافر مارے گئے۔

محاصرے کے اختتام پر بنی قریظہ کا اخراج عمل میں آیا۔ بنی قریظہ نے بڑے نازک موقعہ پر مسلمانوں سے غداری کی تھی۔ اس لئے انہیں اس

غداری کی بڑی عبرت ناک سزا دی گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل پہلے دی جا چکی ہے۔

جنگِ خندق کی اہمیت

جنگِ بدر کی طرح جنگِ خندق بھی اسلام کی تاریخ میں ایک موڑ (TURNING POINT) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے کئی مفید نتائج برآمد ہوئے۔

۱۔ جنگ خندق مسلمانوں کے لئے ایک کڑی آزمائش تھی۔ لیکن آخرکار وہ اس آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلے۔ کفار نے اس سے پہلے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ نہ کیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو اپنی قوت کا اندازہ ہو گیا کہ کفار اپنی زیادہ سے زیادہ جمعیت کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکتے۔

۲۔ مسلمانوں کے لئے مدافعانہ جنگ کا دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دشمنوں کو کبھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر سکیں۔ اب پہل (INITIATIVE) مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

جنگِ خندق میں کفار کی پسپائی سے مدینہ کے آس پاس کے قبیلوں پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اب وہ خود بخود مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور ان میں اسلام بھی سرعت سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس سے نہ صرف مذہبی لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی مسلمان مضبوط ہو گئے۔

باب ۱۰

صُلح حُدیبیہ ۶ھ

حج کے لئے مکّہ کا قصد

آں حضرتؐ اور دیگر صحابہ کو مکّہ چھوڑے چھ سال گزر چکے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر اپنا پیارا وطن دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ اب ان میں اتنی طاقت تھی کہ اگر کافر مزاحمت کریں تو وہ اس کا مُنہ توڑ جواب دیں علاوہ ازیں اکثر مہاجرین کے اہل وعیال ابھی تک مکّہ میں تھے۔ اور وہ انہیں ملنے کے لئے بے قرار تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے دل میں خانۂ خدا کے لئے اتنی ہی عقیدت تھی جتنی کہ کفّار کو۔ کہا جاتا ہے کہ آں حضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ صحابہ کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ یہ خواب ایک قسم کا غیبی اشارہ تھا۔ ان اسباب کی بنا پر ۶ھ کے اختتام پر آپؐ نے حج کی تیاریاں شروع کر دیں۔ صحابہ نے جب یہ سُنا تو اُن کے چہرے فرطِ مسرت سے کِھل گئے اور چودہ سو مسلمان آپؐ کے ہمرکاب چلنے کے لئے تیار ہو گئے چونکہ آپؐ کی نیّت صرف حج کی تھی جنگ کی نہ تھی۔ اس لئے حکم دے دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ رکھ لی جائے اور وہ بھی نیام میں بند ہو۔ یہ احتیاط اس لئے کی گئی تھی کہ قریش کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ مسلمان مکّہ پہ حملہ کی نیّت سے آ رہے ہیں۔

قریش کو جب مسلمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو انھوں نے بھی مقابلہ

کی ٹھان لی۔ اور خالد بن ولید کو (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ایک دستہ کے ساتھ مسلمانوں کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ آپؐ خالد کے راستہ سے کترا کر آگے بڑھ گئے۔ اور حدیبیہ کے مقام پہ پہنچ کر ڈیرے ڈال دئے۔ مکّہ یہاں سے صرف ایک منزل پہ تھا۔

صُلح کی گفتگو

یہاں پہنچ کر آپؐ نے بدیل بن ورقا خزاعی کو قریش کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لوگ حج کی نیّت سے آئے ہیں، لڑائی کے لئے نہیں۔ لیکن قریش نے بدیل کی بات پہ بھروسہ نہ کیا اور ایک سردار حلیس بن علقمہ کو اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کے حالات دیکھنے کے لئے بھیجا۔ حلیس نے واپس جا کر اس بات کی تصدیق کی کہ مسلمان واقعی حج کے لئے آئے ہیں۔ اس نے قریش کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو روکنا مناسب نہیں۔ مگر قریش نے حلیس کی بات بھی نہ مانی لیکن وہ جنگ سے گھبراتے بھی تھے۔ چونکہ گذشتہ چھ سال کی مسلسل جنگوں میں انہیں کافی جانی اور مالی نقصان ہوا تھا اس، لئے وہ خود بھی صُلح کے خواہاں تھے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے ایک سردار عروہ بن مسعود کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ عروہ نے آپؐ کی خدمت میں پہنچ کر کہا کہ اے محمدؐ! تم اپنی قوم کو خود مٹانے کے لئے آئے ہو۔ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ وہ تم کو زبردستی ہرگز مکّہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اگر جنگ ہوئی تو تمہارے ساتھی تم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور اُن کی عروہ سے جھڑپ ہو گئی۔ یہ گفتگو کوئی نتیجہ خیز تو نہ نکلی لیکن آنحضرتؐ کے ساتھ صحابہؓ کی بے پناہ عقیدت نے عروہ کے دل پہ بہت اثر کیا واپس جا کر اُس نے قریش سے کہا کہ "میں نے قیصر وکسریٰ کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو شان محمدؐ کی ہے وہ میں نے کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی اُن کے ساتھی اُن کے وضو کے پانی کو زمین پہ نہیں گرنے دیتے۔ فرطِ آداب سے ان کے سامنے بلند

آواز سے نہیں بولتے اور اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اے قریش! تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم اُن سے نہ اُلجھو۔ اور جس مقصد کے لئے وہ آئے ہیں اُسے پورا کرنے دو۔" لیکن عروہ کے مشورے کے باوجود قریش ابھی تک بدگمان تھے اور صلح پر آمادہ نہ تھے۔

بیعتِ رضوان

چونکہ عروہ کے ساتھ صلح کی گفتگو ناتمام رہی تھی اِس لئے رسولِ اکرمؐ نے قریش کی طرف قاصد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اِس کام کے لئے پہلے آپ نے حضرت عمرؓ کو منتخب کیا لیکن انہوں نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں جو مجھے بچا سکے۔ اِس پر آپؐ نے حضرت عثمانؓ (اپنے داماد) کو قریش کی طرف بھیجا۔ چونکہ وہ بنی امیہ کے خاندان سے تھے اور اس وقت مکہ میں بنی امیہ کا اثر و رسوخ تھا اس لئے انہیں کوئی گزند پہنچنے کا احتمال نہ تھا۔ لیکن کفّار نے اُن کو نظر بند کر لیا۔ جب حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اِس خبر سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ اور مرنے مارنے پر تُل گئے۔ جب آپ نے خبر سُنی تو فرمایا اب ہم جنگ کئے بغیر نہ لوٹیں گے کیکر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آپؐ نے صحابۂ کرام سے جان کی قربانی کا وعدہ لیا۔ اِس وعدہ کو بیعتِ رضوان کہا جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے اس وعدہ پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔ یہ تاریخِ اِسلام کا ایک بہت بڑا واقعہ ہے اور قرآنِ پاک (سورہ فتح) میں اِس بیعت اور درخت کا ذکر ہے۔

صلح حدیبیہ

اِس واقعہ کی خبر جب قریش کو پہنچی تو وہ ڈر گئے۔ دراصل وہ بھی جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ اِن کا مقصد صرف اتنا تھا کہ آنحضرتؐ سے حیل و حجت کر کے بہتر شرائط منوا لی جائیں۔ انہوں

نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا اور اُس کے ساتھ ہی سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا آپؐ کا ارادہ پہلے ہی سے جنگ کا نہ تھا۔ اِس لئے مختصر سی گفتگو کے بعد چند شرطوں پر اتفاق ہو گیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو صلح کی شرائط لکھنے کے لئے بلایا۔ حضرت علیؓ نے صلحنامہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ عرب کے پرانے دستور کے مطابق باسمک اللّٰھم لکھو۔ آنحضرتؐ نے اُسے منظور فرما لیا اِس کے آگے کا فقرہ تھا کہ یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریش کے درمیان ہے۔ سہیل نے اِس پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم آپؐ کو رسول اللہ تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اچھا "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دو اور صرف محمدؐ بن عبداللہ لکھو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ نہیں مٹا سکتا۔ اِس پر آپؐ نے صلح جوئی کی خاطر یہ الفاظ مٹا دیئے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط حسب ذیل تھیں

(۱) دس سال تک مسلمانوں اور قریش میں لڑائی نہ ہو گی۔

(۲) اس سال رسول اکرمؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال آئیں مگر تلوار کے سوا جو نیام میں ہو اور کوئی ہتھیار نہ لائیں۔ تین دن تک مکہ میں رہیں اور حج کر کے واپس چلے جائیں۔

(۳) قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے اُسے نہ روکیں
(۵) اگر مکہ میں سے کوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آئے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

ابوجندل کا واقعہ

بظاہر یہ شرائط مسلمانوں کے خلاف تھیں خاص طور پر آخری شرط مسلمانوں کو سخت ناگوار گذری۔ اتفاق یہ ہوا کہ جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ قریش کے سفیر سہیل کا لڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا کافروں کی قید سے بھاگ کر وہاں آ پہنچا اس کے بدن پر ابھی تک کفار کی ایذا رسانی کے نشان موجود تھے سہیل نے اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ "اے محمدؐ! صلحنامے پر عمل کرنے کا یہ پہلا موقعہ ہے"۔ مسلمان بہت مضطرب تھے اور حضرت عمرؓ نے تو اپنے اضطراب اور ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا (بعد میں حضرت عمرؓ اپنے فعل پر سخت نادم ہوئے اور گناہ کو بخشوانے کے لئے کئی نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے) لیکن آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو چھوڑ کر کافروں میں چلا جائے گا اُس کا ہم سے دور ہی ہو جانا بہتر ہے اور جو اُنہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آئے گا اور ہم اُسے واپس کر دیں گے تو اللہ تعالےٰ اُس کے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔

ابو جندل کے واقعہ نے مسلمانوں کے جذبات کو اور بھڑکا دیا۔ وہ اسے اپنی کمزوری اور توہین کی علامت سمجھتے تھے اور اس کی تعمیل میں پس و پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ صلحنامہ کی تکمیل ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنے احرام (حج کا لباس) اتارنے پر اُس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک کہ خود آپؐ نے اپنا احرام نہ کھول دیا۔ اس طرح آپؐ اور آپؐ کے ساتھی صلحنامے کی شرائط کے مطابق حج کئے بغیر واپس چلے گئے۔

صلح حدیبیہ کی اہمیت

جس وقت یہ صلح ہوئی۔ مسلمان اسے اپنی کمزوری اور شکست سمجھتے تھے۔ لیکن قرآنِ پاک میں اسے "فتح مبین" یعنی کھلی فتح کا نام دیا گیا اور درحقیقت یہ صلح فتح ہی ثابت ہوئی۔ گو یہ فتح مادی نہیں، روحانی تھی۔ مسلمان اُس

وقت تو اس راز کو نہ سمجھ سکے۔ لیکن بعد کے واقعات اور نتائج نے اس کو ثابت کر دیا:۔

۱۔ صلح حدیبیہ اسلام کی ترقی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے مسلسل لڑائیوں اور خون خرابہ کی وجہ سے کفار کو مسلمانوں سے ملنے اور ان کے مذہب کو مطالعہ کرنے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ اب کفار آزادانہ مدینہ میں آنے جانے لگے اور انہیں اسلام کو سمجھنے کے مواقع ملے تو وہ خود بخود اسلام کی طرف کھینچنے لگے مورخین کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

۲۔ حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو ابن العاص (فاتحِ مصر) اسی زمانے میں اسلام لائے اور ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی قوت میں کافی اضافہ ہو گیا۔ یہ دونوں عرب کے مانے ہوئے جرنیل تھے۔

۳۔ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرتؐ کو قریش کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا اور امن قائم ہو گیا تو آپؐ کو عرب سے باہر کی دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقعہ ملا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ مختلف ممالک کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے۔ جن کی وجہ سے اسلام کا تذکرہ دوسرے ممالک تک بھی پہنچ گیا۔

۴۔ اس صلح کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ جب مکہ والوں سے کوئی خدشہ نہ رہا تو چھوٹے چھوٹے مخالفین کی سرکوبی میں آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ اس کے بعد کسی کو مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔

۵۔ صلح حدیبیہ نے عرب کی سیاسی وحدت میں بڑی مدد دی۔ اب تک مکہ اور مدینہ دو مختلف علاقے سمجھے جاتے تھے۔ مدینہ کے باشندوں کو مکہ اور اہلِ مکہ سے کچھ زیادہ تعلق نہ تھا۔ ماسوائے اس کے کہ وہ بھی دیگر عرب قبائل کی طرح کعبہ کو مقدس مانتے تھے اور حج کے لئے آتے تھے۔ لیکن اب صلح حدیبیہ کی وجہ سے مکہ اور مدینہ میں پھر آمد و رفت شروع

ہو گئی اور جوں جوں اسلام ترقی کرتا چلا گیا، عرب کی سیاسی اور مذہبی وحدت بھی ترقی کرتی گئی۔

صلح حدیبیہ میں ترمیم

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمان صلح حدیبیہ کی پانچویں شرط پر خاص طور پر برہم تھے۔ وہ اسے اپنی توہین سمجھتے تھے کہ اگر مکہ سے کوئی آدمی مدینہ آجائے تو وہ اسے واپس کرنے پر مجبور ہوں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کفارِ مکہ کے ہاتھ آجائے تو وہ اسے واپس نہ کریں۔ ابو جندل کے واقعہ نے انہیں اور بھی برہم کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اس وقت یہ کہہ کر ان کی ناراضگی کو دور کرنے کی کوشش کی تھی کہ جو مسلمان کفارِ مکہ کے قبضہ میں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے چھٹکارے کی بھی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔ آپؐ کی یہ بات سچ ثابت ہوئی جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے ان میں سے ایک منچلے ابو بصیر بھاگ کر مدینہ آ گئے۔ جب قریش کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے دو آدمی آنحضرت صلعم کے پاس ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کرنے کے لئے بھیجے۔ آپؐ نے صلح کی شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ابو بصیر کو ان آدمیوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ابو بصیر کو طوعاً و کرہاً اپنے آپ کو قریش کے آدمیوں کے حوالے کرنا پڑا۔ جب یہ تینوں ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل دور ایک بستی) کے پاس پہنچے تو ناشتہ کے لئے ٹھہر گئے۔ ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا کہ "تمہاری تلوار بہت اچھی ہے۔" دوسرے نے جھک کر کہا کہ "میری تلوار اس سے بھی اچھی ہے۔" ابو بصیر نے کہا: "لاؤ، دکھاؤ تو" اس نے اپنی تلوار ان کے ہاتھ میں دے دی، انہوں نے اسی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ ابو بصیر نے سمندر کا راستہ لیا اور ساحل کے نزدیک اپنا ڈیرہ جما لیا۔ جب مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ بھی بھاگ بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچنے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں

بہت سے مسلمان وہاں جمع ہو گئے، اور اب انہوں نے باقاعدہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کرنے شروع کر دئے۔ قریش نے ان حملوں سے تنگ آ کر ایک سرکاری وفد مدینہ بھیجا اور معاہدہ کی اس شرط سے دست بردار ہو گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے آں حضرت صلعم سے یہ درخواست کی کہ ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیا جائے۔ آپؐ نے ان جلاوطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ وہ مدینہ چلے آئیں۔ اس پر ابو بصیر اور اس کے ساتھی مدینہ آ گئے۔ اس کے بعد قریش نے کسی مسلمان سے مدینہ جانے پر تعرض نہ کیا۔